گھر میں ایک دفتر قائم کیا گیا۔ مکان کے عین سامنے ڈوگرہ ہاؤس بورڈ لگائے گئے جن میں "کشمیر کمیٹی" کی طرف سے بھیجے گئے وکیل اور دوسرے مہمان قیام پذیر ہوئے۔ کمیشن کا ہاتھ بٹانے کے لئے پہلی بار مرزا محمد افضل بیگ کو سامنے لایا گیا۔ افضل بیگ کے ساتھ جن اصحاب کو کمیشن کے کام پر معمور کیا گیا۔ ان میں غلام قادر گاندر بلی، محمد یحییٰ، مولوی عبدالرحیم اور محمد یوسف بی۔اے، قابلِ ذکر ہیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے مسٹر گلینسی اور مسٹر مڈلٹن کمیشن کے تاریخی اعلان سے کشمیر میں جدوجہدِ آزادی کا ایک نیا محاذ کھل گیا۔

ان دو کمیشن کے سامنے کوئی پچاسی شخصیتوں اور لوگوں نے اپنے اپنے بیان قلمبند کروائے۔ ہم یہاں پر مسلم تنظیم کی طرف سے پیش کئے گئے طویل انگریزی بیان کا خلاصہ درج کر رہے ہیں جو تنظیم کی طرف سے شیخ عبداللہ نے پیش کیا۔

"کمیشن کے دائرۂ اختیارات میں فسادات کے اسباب کی چھان بین بھی شامل ہے چونکہ ریاست جموں وکشمیر نے اپنی مفروضہ عنایات کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا تھا۔ اس لئے میں اس کا اجمالاً تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ریاست کے مسلمانوں کو حکام ریاست کے غیر مساویانہ سلوک کا بہت احساس ہے۔ انھیں جان بوجھ کر ملازمتوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے کوئی مسلمان ریاست کی ملازمت میں داخل بھی ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اور اپنی ملازمت کو غیر محفوظ خیال کرتا ہے۔ مسلمان ملازموں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں اور اکثر مسلمانوں کو معمولی وجوہات پر برخواست کیا جاتا ہے۔

سر ایلیسن بینرجی نے عین موقع پر اپنا بیان شائع کرایا۔ اُسے دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے دعوے پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کئے چنانچہ ریاست کے مسلمان نمائندوں کی طرف سے مجمل طور پر مسلمانوں کے مطالبات ہز ہائی نیس کی حکومت کو بطور میمورئیل پیش کئے گئے۔

ریاست کے حکام جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ عموماً ہندو ہیں۔ وہ مسلمانوں کے خلاف حکمتِ عملی پر کاربند رہتے ہیں۔ غریب، تباہ حال مسلمان جو پہلے ہی مفلوک الحال ہو رہے تھے۔ رشوتیں دینے پر مجبور ہوتے رہے۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ریاست کو اپیل کرنے کے باوجود ان کی حالت بہتر ہونے کی کوئی صورت نہیں تو انھوں نے مسلم اخبارات کے ذریعے شکایات پیش کرنی شروع کر دیں۔ یہ بات حکام کو بے حد ناگوار گزری۔ چنانچہ انھوں نے ذمہ دار مسلم اخبارات کا ریاست میں داخلہ ممنوع قرار

دیا اور ہمیں اپنی حالت کے متعلق دوسرے مقامات کے رہنے والے بھائیوں کے افکارات کے مطالعہ سے بھی محروم کر دیا۔

اس تشدد آمیز کارروائی کے بعد ایک یہ خبر ملی کہ ایک ہندو پولیس افسر نے خطبہ قرآن کی توہین کی ہے۔ اس موقع پر میں یہ امر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان تمام بے عزتی برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کے خلاف کسی توہین کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد ریاست نے مسلمانوں کی شکایات کے تدارک کے لئے ایک انوکھی تجویز پر عمل کیا اور مسجدوں میں جلسے منعقد کرنے کی مخالفت کر دی، ہم نے حکومت کے اشارے پر ایک جلسہ منعقد کرایا۔ تاکہ مسلمانوں میں سے نمائندے منتخب کئے جائیں۔ جو ہمارے معاملہ کو ہز ہائی نیس کی خدمت میں پیش کریں۔ جب جلسہ ختم ہونے کے قریب تھا تو مولوی عبدالقدیر نے ایک بے ضرر تقریر کی۔ مولوی عبدالقدیر کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ ان کے مقدمے کی سماعت کے لئے روز ہزاروں مسلمان عدالت پر جاتے تھے لیکن علمبردارانِ امن و قانون نے جو سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیا وہ ریاست کی تاریخ میں ایک بدنما دھبہ رہے گا۔

آپ کی تحقیقات کے اغراض میں یہ بات شامل نہیں کہ ماہ جولائی کے واقعات پر جن کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ کوئی فیصلہ صادر کیا جائے لیکن حکام ریاست کے خلاف مسلمانوں کے جذبات میں ہیجان کی وجہ یہی واقعات ہیں۔ اس لئے بدامنی کی تہہ تک پہنچے بغیر آپ حقائق پر عبور حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ریاست نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگائی اور ان کے جائز مطالبات کو کچلنے کے لئے عزم صمیم کا اظہار کیا۔

مسلمانوں کی پُرزور مخالفت کے باوجود دلال کمیشن کا ڈھونگ رچایا گیا۔ مسلمانوں نے بحیثیت قوم اس کا مطالبہ کیا۔

کمیشن کے تقرر کے بعد مجھے اور میرے رفقا کو جو قلعہ میں مقید تھے رہا کر دیا گیا اور ریاست نے مسلمانوں کے خیالات کی گہرائی کو بھانپ کر عارضی صلح کر لی۔

میں اپنا بیان اس مودّب اور الفت کے اظہار کے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو مسلمانوں کو اپنے حکمراں کے ساتھ ہے۔ جن شکایات کا میں نے اس پر تذکرہ کیا ہے۔ وہ نظامِ حکومت کے خلاف ہیں۔ ہز ہائی نیس کی ذات کے خلاف نہیں۔ ہز ہائی نیس کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں وفاداری محبت اور اطاعت شعاری کے جذبات ہیں اور یہ جذبات برقرار رہیں گے۔"

مسلم اکابرین کی طرف سے شیخ عبداللہ نے مڈلٹن کمیشن کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا۔ اس پر اُس وقت اُوس پڑ گئی جب مڈلٹن کی رپورٹ منظرِ عام پر آ گئی۔ مڈلٹن نے جو اپنی تحقیقاتی رپورٹ حکومت کو پیش کی وہ حسبِ ذیل ہے :

"شوپیان میں گولی چلانی بے حد ضروری تھی۔ پولیس فائر کرنے میں بالکل حق بجانب تھی۔ مائیمہ میں گولی چلانی ضروری تھی جونہی ضرورت پوری ہوگئی فائر بند کر دیئے گئے اس کے بعد صرف چند فائر اِدھر اُدھر کئے گئے۔ جامع مسجد سرینگر میں فوج کے لئے صورت حال شدید خطرناک ہوگئی تھی۔ اس لئے گولی چلانے میں حق بجانب تھی لیکن اگر آفیسر معقول انتظام کرتے اور موقعہ پر موجود رہتے تو فوج سے کام لینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اننت ناگ میں بھی گولی چلانی اس لئے ضروری ہوگئی کہ افسروں نے صورت حالات کا انتظام اچھا نہ کیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جب ضرورت پوری ہوگئی تو اس کے بعد بھی گولی چلتی رہی اور شدید طریق پر یہ جنگی کاروائی جاری رہی۔ فوجی قبضے کے دوران سرینگر کے یورپین باشندوں پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ اگرچہ میں نے نوٹس شائع کئے تھے کہ جن لوگوں نے چشم دید واقعات دیکھے وہ آکر شہادتیں قلم بند کرائیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا فرض یہ شہادتیں قلمبند کرنے سے پورا نہیں ہوا۔"

مڈلٹن نے اپنی رپورٹ میں مسلمان گواہوں کے بیانات کے ساتھ جگہ جگہ ایسے ریمارکس پاس کیے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ انھیں مسلمان گواہوں کے ان بیانات پر اعتبار نہیں۔ اُن کی نظر میں یہ بیانات غلط بیانی اور جھوٹ پر مبنی تھے۔

مڈلٹن رپورٹ جب پریس کے ذریعے مشتہر ہوا تو مسلمانوں میں سخت مایوسی ہوئی۔ مڈلٹن کمیشن کا خلاصہ ابتدا میں ایسوسی ایٹیڈ پریس نے شائع کیا جسے دیکھ کر مسلم رہنما اور عام مسلمان ناراض ہوگئے۔ ڈوگرہ مظالم کے متعلق رپورٹ سراسر غیر منصفانہ تھی چنانچہ جب بعد کو اصل رپورٹ منظرِ عام پر آ گئی تو معلوم ہوا کہ اخبارات میں درج خلاصہ گمراہ کن اور خلاف اصل تھا۔ یہ دشمنوں کی شرارت تھی جو ان کمیشنوں سے مسلم رہنماؤں کی طرف سے بائیکاٹ کروا کر اس دفتر کو بند کروانا چاہتا تھا۔ مڈلٹن رپورٹ کا اصل خلاصہ بعد میں اخبارات میں آنے کے سبب مسلمانوں کو جو مایوسی ہوئی تھی اس کی تلافی ہوگئی اور اس وجہ سے گلینسی کمیشن پر لوگوں کا اعتماد بحال ہوگیا

اور مسلم رہنماؤں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

ان کمیشنوں کے سامنے شہادتیں پیش کرنا اور دلائل سے ان کو قائل کرنا ایک ایسا کام تھا۔ جس کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی۔

مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں "کشمیر کمیٹی" نے جس تندہی لگن اور خوش اسلوبی سے یہ کام انجام دیا۔ وہ یقیناً ایک قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔

"کشمیر کمیٹی" نے اس کام کی انجام دہی کے لئے جو نامور وکلاء اور دوسرے حضرات فراہم کئے ان میں بشیر احمد ایڈووکیٹ، چوہدری عصمت اللہ، مولوی عبدالرحیم درد، صوفی عبدالقدیر نیاز، مولوی محمد اسماعیل غزنوی، سید میرک شاہ اور چوہدری ظہور احمد قابلِ ذکر ہیں۔

"کشمیر کمیٹی" نے دو ہاؤس بوٹوں میں مقیم مہمانوں کا سارا خرچہ برداشت کیا اور دونوں کمیشنوں کے لئے مطلوبہ مواد فراہم کیا۔ اس مواد کو حاصل کرنے کے لئے کشمیر کمیٹی نے بھوپال، رام پور، جے پور، حیدر آباد، میسور، بھرت پور، بیکانیر، پٹیالہ، بڑودہ، بہاولپور، مالیر کوٹلہ اور کپورتھلہ کے وزرائے اعظم سے خط و کتابت کر کے مفید معلومات حاصل کر لیں۔

مجموعی طور پر گلینسی کمیشن کے سامنے وہی رپورٹ پیش کی گئی جو مڈلٹن کمیشن کو پیش کی گئی تھی۔

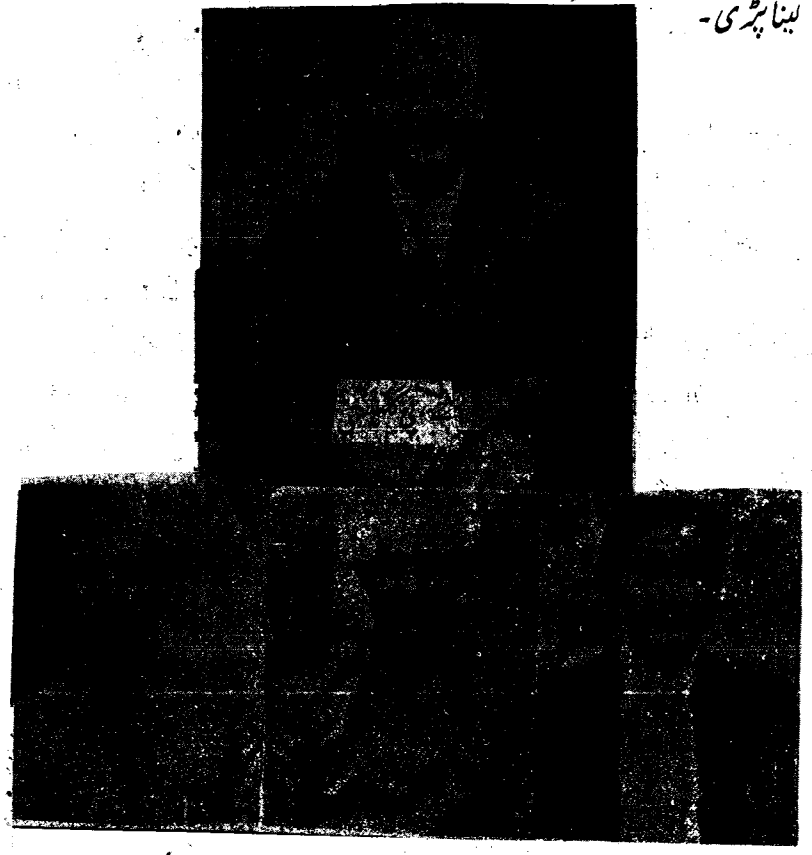
گلینسی کمیشن کی کاروائی شروع ہونے ہی جب مسلم اکابرین نے اس کمیشن کو اپنا تعاون دینا شروع کیا اور اس نے شد و مد سے اپنی کاروائی شروع کی۔ پنڈت پریمی نے باہم مشورہ کر کے اپنے مطالبات کا ایک چارٹر تیار کیا۔ اس چارٹر کو تیار کرنے میں کئی دن لگ گئے اور اس کی تیاری میں پنڈت جیالال کلم، پنڈت کیشپ بندھو، پریم ناتھ بزاز، رام ناتھ شاستری، لوک ناتھ شرما اور ڈاکٹر پشن نے بھرپور حصّہ لیا اور کوئی ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل مطالبات کا چارٹر انھوں نے کمیشن کے سامنے پیش کیا۔

ان مطالبات میں بیشتر مطالبات وہی تھے جو ریاست کے مسلمان ڈوگرہ حکومت سے مانگ رہے تھے البتہ ان میں بعض مطالبات ضرور فتنہ انگیز تھے۔

سب سے بڑا فتنہ انگیز مطالبہ خانقاہ معلّی کے بارے میں تھا۔ چارٹر کے اکیاسٹھویں مطالبے کے مطابق یہ خانقاہ چونکہ شری کا مندر ہے۔ لہٰذا یہ پنڈتوں کو واپس ملنا چاہیے۔ ایک اور مطالبے میں سرینگر کی عید گاہ پر مسلم فرقہ کی اجارہ داری ختم کر کے اسے ہر ایک فرقہ کے لئے کھلا چھوڑنے کی تجویز تھی۔

مسجدوں اور خانقاہوں کی طرف سے سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنے پر فوری روک لگانے کا بھی ایک مطالبہ تھا۔

پنڈت برادری جب ایک ایک کر کے کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور اپنے مطالبات کی صفائی میں بیان دینے لگے تو پریم ناتھ بزاز بیشتر مطالبات سے دستبردار ہو گئے جس کی وجہ سے اُن پر پنڈت برادری نے قافیہ تنگ کیا۔ یہاں تک کہ اسے نہ صرف اپنے محلے بلکہ اپنے گھر کو بھی خیر باد کہہ کر آبی گزر میں ایک مسلمان کے گھر میں پناہ لینا پڑی۔



گلینسی کمیشن کے ممبران: (۱) چودھری غلام عباس خان (۲) غلام احمد عشائی (۳) پریم ناتھ بزاز

عجب انقلاب جہاں ہے یہ کہ وفا کا دور نکل گیا
انہیں جب خیال کرم ہوا تو زمانہ رنگ بدل گیا

کمیشن کی رپورٹ پر مہاراجہ کی تصدیق

اپریل کے پہلے ہفتے میں مسٹر جے۔ بی۔ گلینسی نے کافی محنت اور عرق ریزی کے بعد حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے رپورٹ کی سفارشات منظور کرنے کے احکامات صادر کئے۔

چنانچہ اس کے نتیجے میں خانقاہ داراشکوہ، شاہی باغ مسجد، خانقاہِ سوختہ، خانقاہ شاہدرہ زیارت مدین صاحب، خانقاہِ بلبل شاہ، خانقاہ صوفی شاہ، عیدگاہ کی مساجد کے علاوہ مقابر اور مقدس مقامات جو مدت سے ڈوگرہ حکومت کے قبضے میں تھے۔ واپس مسلمانوں کو کر دیئے گئے اور آئندہ کے لئے مہاراجہ نے اعلان کیا کہ اس نوع کے تمام مقدس مقامات مسلمانوں کے سپرد کر دیئے جائیں اور اگر ان پر قابض لوگوں کو معاوضہ دینے کا عدالتی فیصلہ ہو تو ریاست اسے معاوضہ ادا کرے گا اور نئی مساجد بنانے کی درخواست پر بھی ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔

مہاراجہ بہادر نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہر ایک قوم کو ریاست میں کامل مذہبی آزادی ہے اور اگر کوئی شخص اذان میں مداخلت کرے تو اسے سزا دی جائے گی یا کسی کو تبدیل مذہب کی بنا پر ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے تو اس کی گوشمالی کی جائے گی خواہ وہ پولیس ہو یا اور کوئی سرکاری عہدیدار یا رعایا میں سے کوئی شخص۔

تعلیم کے متعلق سفارشات منظور کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم کی توسیع، عربی کے اساتذہ کی تعداد میں اضافہ، اسلامی وظائف کی مقدار اور محکمۂ تعلیم کے مسلمان انسپکٹروں میں اضافہ کے احکام دیئے۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک خاص انسپکٹر کے تقرر کا فیصلہ کیا۔

مسلمانوں کا ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ زمینداروں کو حقوقِ مالکانہ دیئے جائیں۔ جو تسلیم کر لیا

گیا۔ جموں، سانبہ، اکھنور، کٹھوعہ، جمیر گڈھ، بھمبر گلی اور میر پور کی تحصیلوں سے کاہچرائی کا ٹیکس عارضی طور پر اُڑا دیا گیا۔ دھاروں میں جو ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اسے ہٹا دیا گیا۔

اخروٹ کے درخت کاٹنے پر پابندی ختم کر دی گئی، محکمہ پولیس، جنگلات اور محکمۂ مال میں بھی نئی اصلاحات جاری کی گئیں۔ بکروالوں پر ٹیکس کی تخفیف کر دی گئی۔

آزادی تحریر و تقریر سے متعلق اعلان کیا گیا کہ ریاست میں جلد از جلد وہی قانون رائج ہوگا جو برطانوی ہند میں رائج ہے۔ مالیہ کی شرح برطانوی علاقہ کے مطابق کرنے کے مطالبہ کی معقولیت تسلیم کر لی گئی۔ ریاست کے افسروں اور مہاراجہ کو رائے عامہ سے آگاہ کرنے اور ریاست کی قانون سازی اور حکام کے اعمال پر تنقید کرنے کے لئے گلینسی کی زیر صدارت اصلاحاتی کانفرنس نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کو عملی تشکیل کے لئے مہاراجہ نے ایک فرنچائز کمیٹی قائم کر دی جس کے لئے سر برجور دلال صدر، مسٹر ایل۔ ڈبلیو جارڈین نائب صدر۔ خان بہادر عبدالقیوم رکن، ٹھاکر کرتار سنگھ رکن اور رام ناتھ شاستری سیکریٹری مقرر کئے گئے۔

اس کے علاوہ جنگلات، رکھ، کسٹم، دھرت محکمہ تعمیرات عامہ، میونسپلٹی، محکمۂ طبی ذیلی وغیرہ محکمہ جات میں مسلمانوں کی بھرتی کا اعلان کیا گیا۔ شادی صغر سنی سے متعلق ترمیم کرنا بھی مان لیا گیا۔

ریاستی مطالبے کو برطانوی ہند کے مطابق بنانے کے لئے ایک نیا ترمیم شدہ قانون جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی مراعات کے احکامات بھی جاری کئے گئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے ان تمام مراعات کے بارے میں اخبار "ملاپ" نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں یہ شہ سرخی دے دی:

"کشمیر کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے"۔

گلینسی اور ٹنڈلٹن کمیشن کی رپورٹ پر مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے تصدیق کے بعد خانقاہ معلیٰ کے ایک عظیم اجتماع میں مولوی یوسف شاہ اور خواجہ غلام احمد عشائی نے کمیشن کی رپورٹ پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ مولوی صاحب نے عوامی اجتماع کے سامنے تقریر کرتے جہاں گلینسی کمیشن کی رپورٹ پر شادمانی دکھائی۔ وہاں مہاراجہ ہری سنگھ کی تعریفوں کے پُل بھی باندھے اور لوگوں سے مہاراجہ کے وفادار رہنے کی تلقین کی۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ اور اس پر عمل درآمد کے پیش نظر جہاں مسلمان اسے اپنی فتح سے تعبیر کر کے خوشیاں منا رہے تھے۔ وہاں کشمیری پنڈتوں اور جموں کے ڈوگروں نے مل کر مہاراجہ ہری سنگھ مسٹر کالون اور مسٹر گلینسی کو سخت بُرا بھلا کہا۔ شیتل ناتھ مندر میں غیر مسلموں نے اس رپورٹ کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ پنڈت کیشپ بندھو کو تقریر کے دوران زہر اُگلنے پر گرفتار کر لیا گیا۔

مسلمانوں کی فتح کے طور پر پہلی بار ۷ مئی کو شیعوں اور سنیوں کا محرم کا جلوس مشترکہ طور پر وہ بھی دن میں نکلا۔ جڈبل میں شیعوں نے سنیوں کا شکریہ ادا کیا۔

غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن زور پکڑنے لگی تو اس نے فرقہ وارانہ فسادات کی صورت اختیار کر لی سرینگر، اسلام آباد، مٹن کے علاقے ہندو مسلم فسادات کی زد میں آ گئے۔

غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن اور ہندوستان کے کٹر ہندو پریس نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف ایک مہم چلائی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

ریاست کے مسلمانوں کو بعض مراعات اور حقوق دینے کے خلاف غیر مسلموں کے ایجی ٹیشن کی حمایت میں کٹر ہندو پریس نے یقیناً جانبدارانہ رول ادا کیا۔

ریاست کے مسلمانوں کو غلام قوم، ٹھگ اور راکھشس سمجھنے والے کٹر ہندو فرقہ پرست مہاراجہ کے خلاف طوفانِ بدتمیزی پر اُتر آئے۔ انھوں نے ریاست کے غیر مسلموں کو مہاراجہ کے خلاف خوب اُکسایا۔ چنانچہ جب مہاراجہ جموں سے سرینگر آئے تو پنڈتوں نے ان کا راستہ روک کر مظاہرہ کیا، مظاہرین پر بذریعہ پولیس لاٹھی چارج کرایا گیا۔ موقع پر ہی پچاس کے قریب اشخاص گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں جموں کا رام ناتھ شاستری بھی شامل تھا۔

غیر مسلموں کی اس ایجی ٹیشن سے مسلم رہنماؤں میں تشویش سی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ وہ ایک وفد کی صورت میں وزیر اعظم مسٹر کالون سے ملنے گئے۔ تاکہ وہ کمیشن کی رپورٹ پر عمل آوری میں کسی قسم کی دیر نہ کریں۔ مسٹر کالون نے وفد کو یقین دلایا کہ مہاراجہ بہادر کمیشن کی رپورٹ پر عمل درآمد کے لئے پُرخلوص ہیں اور جب مجھے محسوس ہوگا میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔

مسلم نمائندوں کا جو وفد مسٹر کالون سے ملا اس میں میرواعظ احمداللہ ہمدانی انجمن خانقاہ و حنفیہ، سید حسین جلالی پریزیڈنٹ انجمن امامیہ، خواجہ سعدالدین شال صدر نمائندگان جموں و کشمیر، شیخ محمد امین صدر ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں، مولوی محمد سعادت پریزیڈنٹ انجمن ہمدرد اسلام

مولوی عبدالرحیم صدر ینگ مینز ایسوسی ایشن سرینگر اور خواجہ غلام احمد عشائی نمائندہ گلینسی کمیشن۔
شیخ محمد عبداللہ ۶ جون ۱۹۳۲ء کو رہا کئے گئے ان کی رہائی پر شہر سرینگر میں ایک جشن سا منایا گیا اور جگہ جگہ خوشی و شادمانی کا مظاہرہ کیا گیا۔

گلینسی کمیشن کی رپورٹ منظرِ عام پر آنے پر کشمیری پنڈتوں نے اس رپورٹ کو اپنے لئے مایوس کُن رپورٹ تصوّر کیا۔ انھوں نے کھلے عام مہاراجہ ہری سنگھ وزیر اعظم کالون اور کمیشن کے سربراہ مسٹر گلینسی سے اپنی ناراضگی جتلانے کے لئے ایجی ٹیشن کا راستہ اختیار کر لیا اور دوران ایجی ٹیشن وہ حکومت کے ساتھ مسلمانوں کی دشمنی پر اُتر آئے۔

مسلمانوں نے اپنے وہ مطالبات جو غیر مسلموں کے لئے قطعی بے ضرر تھے۔ منوانے میں اگر کامیابی حاصل کر لی تو غیر مسلم وادی کے مسلمانوں سے ناراض کیوں ہو گئے؟ سمجھ سے بالا تر معاملہ تھا۔

شیتل ناتھ مندر میں روزانہ خفیہ اور عام جلسے ہونے لگے۔ کئی اجلاسوں کے بعد وادی میں "روٹی مومنٹ" کے نام سے ایجی ٹیشن چلانے کا فیصلہ لیا گیا۔ اس تحریک کو کالجوں اور اسکولوں کے لڑکوں کے سپرد کیا گیا۔

یہ طالب علم مخصوص جگہوں پر جمع ہو کر اُچھل کود کر کے اس طرح کے نعرے دیتے تھے۔

"بھائیو رے بھائیو"، مجمع جواب دیتا۔ "ہاں رے بھائی ــ کیوں رے بھائی"

نعرے دینے والا کہتا۔ "ہم کیا چاہتے؟" تو سب مل کر اچھلتے کودتے "روٹی، روٹی، روٹی" پکارنے لگتے۔ اس کے بعد یہ طلبار دفتروں کا رُخ کرتے اور یہاں کلرکوں سے قلم چھین لیتے۔ سیاہی گرا دیتے اور فائلوں کو اکھاڑ پھینکتے۔

اس طرح کی یہ ہڑبھونگ کئی روز تک جاری رہی۔ اگلے پروگرام کے تحت ان طالب علموں نے دُکانداروں کو دُکانیں بند کرنے کے لئے اودھم مچانا شروع کیا۔ چنانچہ چنکرال محلہ میں دُکانداروں کو دُکانیں بند کرانے کے دوران طلبار اور دُکانداروں کے درمیان فساد بپا ہو گیا۔ پولیس جائے واردات پر پہنچ گئی۔ تو ڈیوٹی مجسٹریٹ کے حکم سے کئی طلبار گرفتار کر لئے گئے۔ باقی طلبار بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان طلبار کی گرفتاری کی خبر سنکر پنڈت جیالال کلم اور پنڈت کیشپ بندھو مہاراجہ ہری سنگھ سے شکایت کرنے گئے تو انھوں نے دو ٹوک جواب دے کر انھیں مایوس کر دیا۔
طلبار کی رہائی کے مطالبے میں پنڈت برادری نے جو چند مطالبے جوڑ دیئے وہ اس طرح ہیں :-

ہندو طلبار کو بغیر کسی تاخیر کے چھوڑ دیا جائے۔
کاشت کے لئے ہمیں آراضیات مفت دی جائیں۔
صنعتی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہماری کمیونٹی کو خاص وظیفے دیئے جائیں۔
کارخانے اور دیگر کام کرنے کے لئے نقد امداد دی جائے۔

مطالبات کے حصول کے لئے ان کا ایجی ٹیشن کبھی گرم ہو جاتا تو کبھی سرد پڑ جاتا۔ ۲۱ ستمبر صفائی کے ہفتے کے سلسلے میں اسلامیہ ہائی اسکول کے طلبار کا جلوس نکلا۔ جو شہر کا گشت لگاتے ہوئے گنپت یار پہنچا۔ چند من چلے غیر مسلموں نے جلوس پر پتھر پھینکنے شروع کئے اور جلوس کے ہمراہ ٹیچروں کا گھیراؤ کیا۔ بعض شر پسندوں نے قومی لیڈر کے نام کے ماٹو پر پتھراؤ کیا اور اس پر تھوکا حتیٰ کہ اس کے کہ فرقہ وارانہ فساد بھڑک اُٹھتا۔ اسکول کے ٹیچروں نے طلبار کا جلوس حبہ کدل پار کر دیا۔

حبہ کدل میں پنڈت جیالال کلم، کیشپ بندھو اور رام ناتھ شاستری مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز اور بھڑکانے والی تقریریں کر رہے تھے کہ اسی دوران اسکول کے طلبار یہاں پہنچ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فساد بھڑک اُٹھا۔ اس فساد کی خبریں قرب و جوار میں پہنچ گئیں تو فرقہ وارانہ فساد نے آگ اور خون کی صورت اختیار کر لی۔

اِن فرقہ وارانہ فسادات اور بلوؤں میں سینکڑوں کی تعداد میں طرفین کے لوگ زخمی ہوئے۔ مرنے والوں کی تعداد چار اور سات بتائی گئی۔

فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے والے جیالال کلم، کیشپ بندھو اور رام ناتھ شاستری کو جان سے مارنے والے ہجوم سے بچانیوالے مسلمان ہی تھے۔ جیالال کلم کو اگرچہ پولیس پارٹی نے گھر سے نکالا البتہ پولیس انسپکٹر عبدالکریم نے ان کو پناہ بھی دی۔ اس طرح کیشپ بندھو کو خواجہ عمر بٹ نے پناہ دیکر بچالیا، فرقہ وارانہ آگ شہر سے نکل کر دیہات اور قصبہ جات میں پھیل گئی۔ چنانچہ اسلام آباد، بارہمولہ سوپور، ہندوارہ، کولگام، پلوامہ، پانپور، شوپیان، پدگام پورہ، گاندربل، بانڈی پورہ وغیرہ علاقہ جات میں یہ وبا سرعت سے پھیلی۔ اِس وبا نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ مسلم علاقوں سے غیر مسلم اور غیر مسلم علاقوں سے مسلمان آنے جانے سے ڈرنے لگے۔ کیونکہ اس طرح کے کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جہاں مسلمانوں نے غیر مسلموں کو اپنے علاقوں میں دبوچ لیا وہاں غیر مسلموں نے بھی اپنے علاقوں میں مسلمانوں پر وار کیا۔ اس طرح خوف و دہشت کا ماحول پیدا ہو گیا اسی دوران گوبند رام نامی ایک تاجر کی بیٹی بیماری کے کارن جاں بحق ہوئی تو اس کی لاش چند

روز تک گھر میں پڑی رہی۔ جب یہ لاش سڑنے لگی تو مسلم رہنماؤں تک یہ بات پہنچ گئی چنانچہ شیخ عبداللہ کی سرکردگی میں مسلم اور غیر مسلم لیڈروں کا ایک وفد گوبند رام کے گھر آیا اور لاش کے کفن دفن میں ہاتھ بٹانے کے ساتھ اپنی معیت میں لاش کو شمشان گھاٹ پہنچا دیا۔ جب کدل سے شنکارا میں جب میت کو لیجایا جارہا تھا تو کئی ناہنجار لوگوں نے اپنی کم ظرفی کا بدترین مظاہرہ کرکے ان پر پتھر پھینکے اور شیخ عبداللہ کو عبداللہ کاؤ جی کہہ کر پکارا گیا۔

اِس واقعہ کی اطلاع پنڈت برادری کو ملی تو شرم سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ کئی ہندو، مسلم لیڈروں سے مل کر شرپسندوں کے شر سے بچنے کی تدابیر کرنے لگے۔ چنانچہ مشترکہ طور پر ہندو مسلم اتحاد کی اپیل شائع کی گئی اور دونوں نے مشترکہ طور پر گول باغ میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا۔ اس اجلاس میں دونوں طرف کے لیڈروں نے بھائی چارے اور میل ملاپ کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ایک امن کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا جسے شرپسندوں پر نگاہ رکھنے کا کام سونپا گیا۔

اِس مشترکہ اجلاس کے بعد دونوں فرقوں کو آپس میں شبہ و شکر ہونے کی جو اپیل کی گئی وہ بہت حد تک کارگر ثابت ہوئی۔

مشترکہ اجلاس کے ساتھ ساتھ الگ الگ اجلاس بھی بلائے گئے۔

خانقاہ معلی میں مسلمان بھائی چارہ کا درس دینے لگے تو شیتل ناتھ مندر میں پنڈتوں نے یکجہتی پر زور دیا۔ اسی دوران ایک انگریز ینگ ہسبنڈ جو ایک انگریزی اخبار کا رپورٹر تھا۔ شیتل ناتھ مندر میں ہو رہے اجلاس میں یہ شوشہ چھیلا دیا کہ مسلمان بڑی تعداد میں گاڑیوں میں آکر اس مندر پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے مسلم برادری جو گاڑیوں میں سوار ہو کر دیہات اور قصبہ جات میں بھائی چارے کی اپیل کرتے جارہے تھے ان کو شیتل ناتھ مندر آنے کو کہا تاکہ وہاں سے پنڈتوں کے کئی افراد آپ کے ساتھ جاسکیں۔

اِس انگریز نامہ نگار نے دونوں کو ایک دوسرے کے عزائم سے بے خبر رکھا، چنانچہ جب مسلم برادری گاڑیوں میں شیتل ناتھ مندر کی طرف آنے لگی تو ان پر زبردست پتھراؤ کیا گیا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے فرقہ وارانہ فساد پھر بھڑک اُٹھا۔

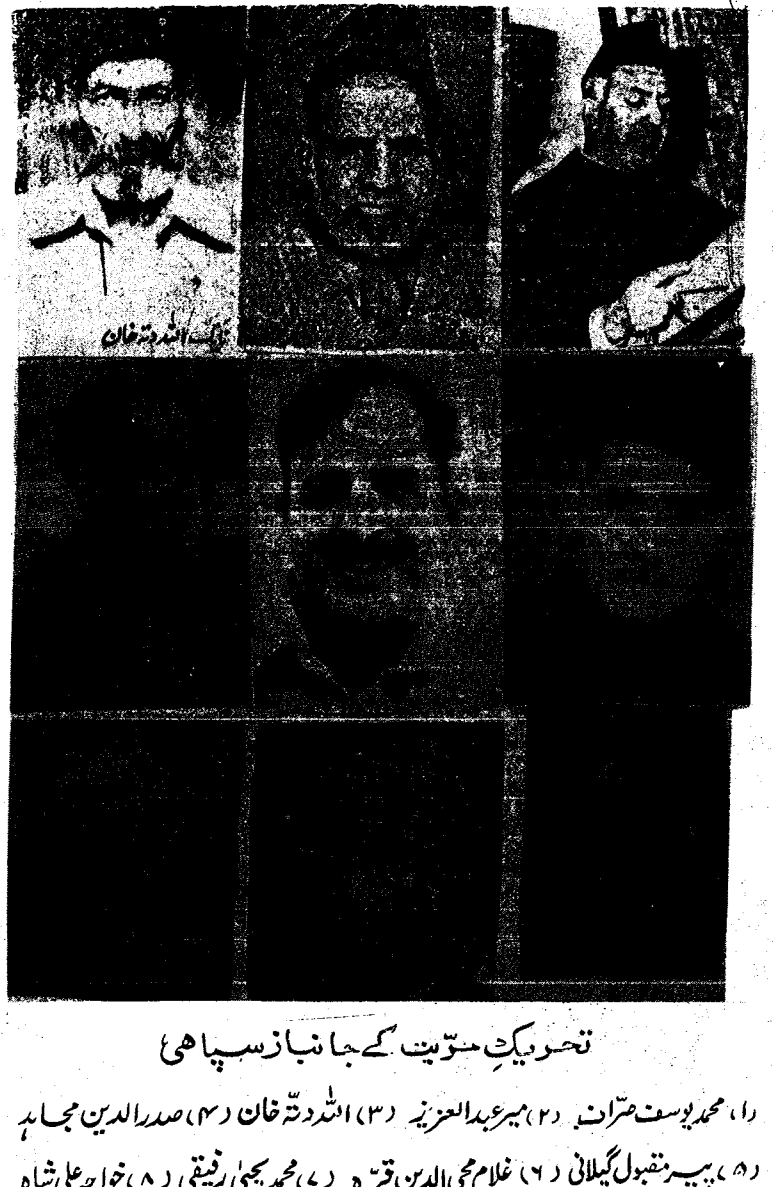
اِن فرقہ وارانہ فسادات کی ہندوستان بھر میں خوب تشہیر ہوئی کئی مسلم رہنماؤں نے جن میں علامہ اقبال قابلِ ذکر ہیں۔ ایسے فسادات پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اس قسم کے فسادات روکنے کے لئے ریاست کی مسلم قیادت کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کی ہدایت

پر ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو مسلمانانِ کشمیر کی ایک نمائندہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں شیخ عبداللہ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خواجہ حسن نظامی کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ شیخ صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا:۔

"گزشتہ تحریک فرقہ وارانہ اتحاد اور بلا لحاظ مذہب و ملت اپنے ہم وطنوں کی ترقی اور خوشحالی کے لئے تھی۔ کچھ ناخوشگوار واقعات ایسے ضرور پیش آئے جن کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی ریاست کے لوگوں نے امنِ عامہ بحال رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی، ہم مہاراجہ بہادر کی ذات، تخت کی وفاداری کا اظہار کرنے میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیں گے۔ گلینسی کمیشن کے مفید نکات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں مہاراجہ بہادر کے ہمدردانہ رویے کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ البتہ مسٹر گلینسی کی تجویز کردہ اسمبلی قابلِ اعتنا نہیں اور اس میں ترمیم کی ضرورت ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ مہاراجہ بہادر اس میں بھی اپنی فراخدلی کا ثبوت دیں گے۔ ہیں کشمیری عوام کی طرف سے گلینسی کمیشن کی رپورٹ کو کامیاب بنانے کا یقین دلاتا ہوں۔ میری تجویز یہ ہے کہ جس طرح مہاراجہ بہادر نے وادی کے حالات پر فراخدلی کا ثبوت دے کر گلینسی کمیشن کو مقرر کیا اسی طرح پونچھ کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔"

اِس طرح کا بیان دے کر شیخ محمد عبداللہ نے ایک طرح سے ڈوگرہ راج کے خلاف اپنی شکایات کا دفتر بند کیا اور مہاراجہ بہادر کا وفادار رہنے اور ان کے تخت و تاج کی اطاعت کرنے کا اظہار کرکے سارے جھگڑے کو ختم کر دیا۔

لیکن یہ وفاداری اور اطاعت شعاری ناپائیدار ثابت ہوئی۔ مسلم رہنما آپس میں لڑنے لگے تو حکومت کو حرکت میں آنا پڑا۔



تحریکِ حریت کے جانباز سپاہی

(۱) محمد یوسف صرّاف (۲) میر عبدالعزیز (۳) اللہ دتہ خان (۴) صدرالدین مجاہد (۵) پیر مقبول گیلانی (۶) غلام محی الدین قرہ (۷) محمد یحییٰ رفیقی (۸) خواجہ علی شاہ (۹) عبدالعزیز خان

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کر دُنیا میں نام کرتے ہیں

شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کا ٹکراؤ

بعض اہم دستاویزات، اخبارات، رسائل اور کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد صاف طور پر پتہ چل گیا کہ مسلم اتحاد میں جو رخنہ پڑ گیا وہ کسی اصول اور آدرش کی وجہ سے نہیں بلکہ مختلف اداروں سے ملنے والا چندہ اور مالی امداد کو مالِ غنیمت سمجھنے سے پڑا ہے۔

وادی میں "شیر بکرا" اور "ژیکہ وکٹہ" کا فتنہ بھی اسی کا رن معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس فتنے کی وجہ سے نہ صرف دوستی دشمنی میں مبدل گئی بلکہ اس کے سبب تحریکِ حریت کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈوگرہ راج کے خلاف لڑنے اور مظلوم عوام کو ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لیے جموں و کشمیر کا مسلم اتحاد مکمل طور پر دو حصّوں میں بٹ گیا۔ حالانکہ کئی برگزیدہ اشخاص نے ان کا ملاپ کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیکن شیشے میں جو بال آیا تھا وہ صاف کرنے سے دور نہیں ہو سکا۔


شیخ محمد عبداللہ — مولوی محمد یوسف شاہ

مولوی یوسف شاہ کی طرف سے شیخ عبداللہ پر اور شیخ عبداللہ کی طرف سے مولوی یوسف شاہ پر پارٹی فنڈس کا جو حساب مانگا جا رہا تھا اس نے ایک گھمبیر صورت اختیار کر لی۔

۲۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو سرائے بالا کی مسجد میں دورانِ وعظ مولوی یوسف شاہ نے شیخ عبداللہ پر کئی الزامات لگائے ان میں سب سے بڑا الزام

کانفرنس کا ڈیڑھ ہزار روپیہ غبن کرنے کا تھا۔

شیخ عبداللہ نے اس کے جواب میں ۲۷ جنوری ۱۹۳۳ء کو خانقاہ معلیٰ میں تقریر کے دوران مولوی یوسف شاہ پر کانفرنس کے ساڑھے تین ہزار روپے ہڑپ کرنے کا الزام لگایا اور سخت لہجے میں کہا۔

"مولوی صاحب کے مشیر مسجدوں کا روپیہ خُرد بُرد کرتے ہیں۔ مولوی یوسف شاہ مامہ یقال کے ذریعے راجہ ہری کرشن کول کے ہاتھوں حقیر رقم کے عوض بک گئے ہیں۔"

ان دونوں لیڈروں کے درمیان ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی مہینوں تک جاری رہا۔ دیگر مسلم رہنماؤں نے اس طرح ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے سے باز آنے کے لیے ان کی منت زاری کی، جتن کیے لیکن جوں جوں دوا کی درد بڑھتا ہی گیا۔

کئی مسلم رہنماؤں نے دونوں لیڈروں کے درمیان صلح صفائی کے لیے اپنی خدمات بھی پیش کیں لیکن یہ صلح ہر بار عارضی ثابت ہوئی۔

صلح صفائی کرانے والوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔

۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء کو شیخ صاحب نے خانقاہ معلیٰ میں سید میرک شاہ اندرابی کی موجودگی میں اجتماع کے سامنے دوران تقریر فرمایا:



مولانا میرک شاہ اندرابی

"..... میں صلح کے لیے اب بھی تیار ہوں، مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں، کوئی بغض نہیں لیکن مجھ سے جو حساب مانگا جا رہا ہے وہ میرے پاس نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ وہ پولیس کے پاس ہے وہی سارا ریکارڈ اٹھا کر لے گئی ہے۔ میں اپنے ذاتی اخراجات اپنی جیب سے کرتا ہوں۔ کمیٹی فنڈ میں میرا ایک سو روپیہ جمع ہے۔ باہر سے میرے نام کوئی چندہ نہیں آیا ہے۔ صرف علی گڑھ کے میرے ہم جماعتوں نے کچھ رقم جمع کر کے بھیجی ہے ..... آپ دیکھیے میری قمیض پھٹی ہوئی ہے۔"

پھٹی قمیض کی نمائش پہ جلسہ گاہ میں چند من چلوں نے ہوٹنگ کی، کئی لوگوں نے سیٹیاں بجائیں اور اس موقع پر آغا سید حسین نے کھڑے ہو کر شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا۔

"ہاں! مصر سے تین سو روپے کی رقم آئی ہے، باقی جو چندہ لوگوں نے یہاں جمع کیا وہ

سب کارکنوں میں صرف ہوا۔"

شیخ صاحب کا ایسا کہنا تھا کہ ایک کھلبلی مچ گئی جلسہ تتر بتر ہونے ہی والا تھا کہ سید میرک شاہ صاحب اندرابی نے جلسہ گاہ کو سنبھالا اور حاضرین سے فرمایا۔

"سنو، کسی پر خواہ مخواہ شک نہ کرو کسی کو بُرے نام سے نہ پکارو مخالف کو نرمی اور دلائل سے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

اجتماع میں مولوی یوسف شاہ کے حامی خاصی تعداد میں شامل ہوئے تھے جو ہوٹنگ کر کے اصل اجلاس کو تتر بتر کرانا چاہتے تھے۔ لیکن میرک شاہ صاحب کی اپیل پر لوگوں کے صبر تحمل نے ان کا پلان ناکام بنا دیا۔ البتہ شیخ صاحب کے حامیوں نے ان سے اس کا پورا بدلہ لیا۔

شہر میں جگہ جگہ "شیر بکرا" فسادات نے امن و سکون درہم برہم کر دیا۔ یہ فسادات کئی دنوں تک جاری رہے۔

۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو عید الفطر کی تقریب پر شہر میں کشیدہ حالات کے پیش نظر حکومت نے میر واعظ مولوی یوسف شاہ سے عیدگاہ جانے کی مناہی کی تاکہ مولوی ہمدانی جن کی پشت پناہی شیر پارٹی کر رہی تھی ان کی موجودگی میں وہاں تصادم نہ ہونے پائے۔

مولوی یوسف شاہ نے عیدگاہ نہ جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا چنانچہ انھوں نے عیدگاہ جانے کا اعلان کیا۔

مولوی احمداللہ ہمدانی نے مولوی یوسف شاہ کی جگہ جامع مسجد جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس طرح وہ جامع مسجد پر اپنا قبضہ جما سکے۔

چنانچہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کے حامیوں کے درمیان باضابطہ معرکہ ہوا۔ طرفین نے ایک دوسرے پر ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے حملہ کیا، دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں فساد بپا ہو گیا۔ مولوی یوسف شاہ کے حامیوں کو جب پتہ چلا مولوی ہمدانی جامع مسجد میں نماز عید پڑھا رہے ہیں تو انھوں نے جا کر مولوی ہمدانی پر حملہ کیا اس وقت مولوی ہمدانی خطبہ پڑھ رہے تھے۔ جب ان پر جوتے پھینکے گئے۔

"شیر بکرا" فساد کی آڑ میں طرفین کے حمائتیوں نے کئی دوکانوں اور مکانوں کو لوٹا، درجنوں آدمی زخمی ہو کر ہسپتال میں بھرتی کیے گئے۔

عین عید کے روز مسلمانوں نے اپنی یگانگت اور یک جہتی کا جو ثبوت دیا اس سے مذہب اسلام

شیدائی شرمسار ہوئے۔ اور غیر مسلموں کے سامنے وہ جگ ہنسائی کے موجب بن گئے۔

دنگا فساد اور بلوہ کے الزام میں دونوں مولویوں کو جرمانہ کی سزا سنائی گئی، میر واعظ ہمدانی نے جرمانہ ادا کیا، لیکن مولوی یوسف شاہ نے جرمانہ ادا کرنے سے صاف انکار کیا، انہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ حکومت انھیں میر واعظ ہمدانی کے ساتھ پلڑے میں تولے گی، چنانچہ جرمانہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا۔

پولیس پارٹی میر واعظ منزل انھیں گرفتار کرنے گئی تو مولوی صاحب یہاں ہاتھ نہ لگ سکے۔ قبل اس کے کہ پولیس پارٹی ناامراد ہو کر واپس چلی جاتی پولیس آفیسر عبدالرشید نے انہیں حمام سے نکال لایا جہاں وہ چھپے بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہیں پہلے تھانے پہنچا دیا اور پھر اودھم پور جیل کے لیے روانہ کیا گیا۔

اتفاق سے جس روز مولوی یوسف شاہ کو گرفتار کر کے جموں کی طرف لے جایا جا رہا تھا اُسی روز شیخ عبداللہ رہا ہو کر واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ شیخ صاحب ۲۱ مئی ۱۹۳۳ء کو گرفتار کر لیے گئے تھے۔

مولوی یوسف شاہ کی گرفتاری پر ان کے حامیوں کی طرف سے مظاہروں کا سلسلہ جاری ہوا، ان مظاہرین میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی بھرپور حصہ لیا۔

دونوں میر واعظوں کی خاندانی چپقلش سے تحریک کو جو نقصان پہنچا اس پر مسلم اداروں کی طرف سے خوب لعن طعن کی گئی۔ کئی اخباروں نے اپنے مراسلوں میں ان مولویوں کی خوب خبر لی۔ مسلم رہنماؤں کی اس مسلم کُش فتنہ انگیز کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار "صداقت"، سرینگر نے ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء میں جو کچھ بھی لکھا اس میں طرفداری کی بُو ضرور آتی ہے۔

"مسلمانوں کی بدبختی نے سرینگر کی مساجد کو میر واعظوں کی جائیداد متنازعہ بنا دیا ہے اور جامع مسجد کو میدانِ کارزار بنایا گیا ہے تا آنکہ ان مساجد کے جھگڑے نے کشت وخون کا بازار گرم کیا۔ بالآخر حضور مہاراجہ بہادر نے خاص وزراء کی کمیٹی زیر صدارت سر بریجور دلال چیف جسٹس مقرر فرمائی تاکہ اس منحوس اور مسلم کُش تنازعہ کا خاتمہ ہو، مولوی ہمدانی نے موقع غنیمت سمجھا اور فوراً کمیٹی کے حکام کی تعمیل کی کیونکہ اُن کو یقین ہے کہ جامع مسجد کسی کے باپ دادا کی میراث نہیں لیکن فریق مخالف اس کمیٹی کا نام سُن کر ہی لرزہ براندام ہے اور آگ بگولا ہو گیا ہے وہ

نہیں چاہتے کہ یہ جھگڑا ختم ہو، انھوں نے جامع مسجد میں ہر روز جلسہ کر کے صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ دینِ اسلام کا حکم یا قرآن شریف کے حکم کو یہ کمیٹی فیصلہ کر کے پُرانے مُردے کو زندہ نہیں کر سکتی یعنی جامع مسجد وغیرہ ہمیشہ ہمیشہ فریقِ ثانی کی واحد مقبوضہ ملکیت رہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے کثیر التعداد رضا کاروں کو مسجد پر مستقل قبضہ رکھنے کے لیے اور ایجی ٹیشن شروع کرنے کے لیے جمع کیا ہے۔

اگر کبھی مولوی ہمدانی جامع مسجد میں آئے تو اُن کی خوب خبر لینی ہوگی، دیکھیے مسٹر وجاہت حسین کی بات چیت کا کونسا اثر ہوگا کہ مولانا ہمدانی کا فریقِ ثانی تقسیم مسجد کے بارے میں معقول طریق اختیار کرے گا یا نہیں۔

بہرحال خدا کرے کہ اس منحوس تنازعہ کا خاتمہ ہو، مسلمانوں کو اب آئندہ واعظوں پر قربان ہونے کی گنجایش نہیں۔ معمور حبشی، شیر بنی اور رفع یدین وغیرہ جھگڑوں نے ان کو تباہ کر دیا ہے۔"

احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ذاتی ضمانت پر مولوی یوسف شاہ رہا کیے گئے انکی رہائی پر ان کے اعزاز میں استقبالیہ جلسے منعقد کیے گئے۔ ایسے جلسے منعقد کرانے میں مولوی غلام نبی اور عبدالسلام دلال پیش پیش تھے۔ مولوی یوسف شاہ کو جیل سے رہائی پر ایک ہیرو کے طور پر ان کے حامی انہیں عوام سے متعارف کراتے تھے۔ گویا وہ جیل سے قوم کے لیے آزادی کا پروانہ لے کر آئے تھے۔

مَردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی ان کے استقبال میں سرگرم تھیں۔ خواتین کے جلسے جلوس کو جان دید جسے جانہ گُندہ بھی کہتے تھے منظم کرتی تھی۔ سرینگر کے ایک نامور گویّے عزیز سہراری نے مولوی صاحب کے بارے میں طنزاً کہا "جانہ گنڈہ مُوکلو یوسف شاہ"۔

مولوی صاحب کو گرفتار کر کے جب جموں لے جایا گیا تو شیخ صاحب رہا کر کے سرینگر لائے گئے راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی۔ شیخ صاحب کی طرف سے مولوی یوسف شاہ کو بستر، تولیہ، صابن وغیرہ دینے کا چرچا ہوا، البتہ جب مولوی صاحب رہا ہو کر آئے اور ان کے اعزاز میں جلسے منعقد ہوئے تو ان جلسوں میں یہ آواز بلند کہا جانے لگا۔

"بستر ٹر، تولیہ ٹر، صابن ٹر، یعنی سو روئے ٹر"۔

میر واعظ مولوی ہمدانی کے بارے میں بھی طرح طرح کی افواہیں پھیلائی گئیں، انھوں نے اپنی طرف سے ایک پوسٹر چھپوایا جو ان کا تردیدی بیان تھا۔

میر واعظ ہمدانی کا پیغام مسلمانانِ کشمیر کے نام

" برادرانِ اسلام !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کو معلوم ہے کہ میرے برخلاف اور مولوی یوسف شاہ کے برخلاف گورنمنٹ کشمیر نے زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری کارروائی کی، میں نے ضمانت داخل کردی، اور مولوی یوسف شاہ نے انکار کردیا۔ میں اس وقت نفسِ مقدمہ پر بحث کرنا نہیں چاہتا میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ اصل معاملہ نہیں سمجھتے اگر اس کارروائی میں کسی طرح مذہبی توہین یا مداخلت ہوتی تو خدا کی قسم میں سب سے پہلے قید خانہ قبول کرتا اور مذہب کے لیے مجھے پھانسی پر لٹکانا بھی منظور تھا۔ مگر مسلمانو! ذرا عقل سے کام لو سوال صرف اس قدر تھا کہ فریقین کی پارٹیوں میں فساد نہ ہو۔ پس فساد کو روکنا قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے بھی اشد ضروری ہے، پس اگر فساد کو بند کرنے کے لیے میرے یا مولوی یوسف شاہ کے نام نوٹس آیا تو اس کے مقابلے میں واقعات کی بنا پر ہمارے لیے ہائی کورٹ تک چارہ جوئی کا دروازہ کھلا ہے۔ کیونکہ یہ سوال شخصیتوں کی ذات کے متعلق ہے نہ کہ مذہبِ اسلام .... مذہبی سوال بنا کر مجھ کو اور میری جماعت کو بدنام کرنا دشمنانانِ اسلام کا مکروہ پروپیگنڈہ ہے۔ نوٹس جاری کرنا مداخلت فی الدین ہے۔ بلکہ دشمنانِ اسلام نے سازش کر کے یہ بہانا بنایا ہے کہ مسلمانوں کے ٹکڑے ہو جائیں۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ مثل دیکھیں حالات معلوم کریں بے فائدہ شور مچا کر عوام کو نقصان نہ پہنچائیں ..... میں ثابت کروں گا کہ موجودہ کارروائی زیر دفعہ ۱۰۷ نہ مداخلت فی الدین تھی نہ مذہبی توہین تھی اگر کوئی ثابت کرے گا تو میں ایک نہ پانچ سو روپے بطور تاوان ادا کروں گا ثانیاً میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ اپنی ضمانت اور مچلکے کو منسوخ کرا کر جیل چلا جاؤں گا....

میر واعظ احمد اللہ ہمدانی

مرقوم ۲۷ر اپریل ۱۹۳۳ء

الزامات اور جوابی الزامات نے فساد کی صورت اختیار کرلی، اس سلسلے کے ایک اجتماع میں چنتہ بل کے پاس تقریروں کے دوران "ژریکہ اور کوٹہ" کے درمیان فساد بھڑک اٹھا یہ فساد دو روز

پھیل گیا۔ نعلبند پورہ میں محمد خلیل وانی زدوکوب میں بُری طرح مجروح ہونے کے بعد انتقال کر گیا۔ مولوی پارٹی نے اُسے اپنی پارٹی کا رُکن بنا کر اُسے شہید کا درجہ دیا جبکہ شیر پارٹی نے اُسے اپنا حامی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس پر کافی لے دے ہوئی اور لاش کو حاصل کرنے کے لیے دونوں پارٹیوں میں تصادم ہوا اس تصادم میں شیر پارٹی جیت گئی اور لاش کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ البتہ حکومت کی مداخلت سے لاش کو جمالٹہ میں روکے رکھا گیا۔ مسلم رہنماؤں اور مسلم کارندوں کے درمیان بحث و مباحثہ کے بعد شام کے قریب میّت کو خانقاہِ معلیٰ پہنچا کر سپردِ خاک کیا گیا۔

میّت کو دفنانے کے بعد اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے مولوی یوسف شاہ کے ساتھ حکومت کی خوب خبر لی، شہر میں شیر بکر افساد کے پیشِ نظر مارشل لا نافذ کیا گیا۔ اور فوری طور پر ۱۹ر ایل کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ اخبارات کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی جو بعد میں اخبار والوں کے احتجاج پر اُٹھائی گئی۔

شیخ عبداللہ، مفتی ضیاء الدین، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد کو حراست میں لیا گیا، انکے ساتھ مولوی یوسف شاہ کی پارٹی سے بھی تین آدمیوں کو وزنِ شعر کے لیے گرفتار کر لیا گیا۔ ورنہ حکومت مولوی یوسف شاہ کے ساتھ یا ان کی پارٹی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا حکومت کی طرف سے اس پارٹی کے تئیں طرفداری کا کھلم کھلا اظہار جلدی ہی مل گیا۔

۱۷ر جولائی کو حکومت کی طرف سے ایک حکمنامہ جاری ہوا جو حسبِ ذیل ہے:۔

" حضور مہاراجا بہادر نے منظور فرمایا کہ تعزیری چوکی چھ ماہ کے لیے ۱۰ اسادن سے مائیسمہ میں مقرر کی جائے جس کے اخراجات ایک ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپے ہوں گے۔ جو اُن اشخاص سے وصول ہوں گے جو نہ ہندو اور نہ سکھ اور نہ یوسف شاہی مسلمان ہوں گے "

ہندوؤں، سکھوں اور مولوی یوسف شاہی مسلمانوں کو چھوڑ دیکر مہاراجہ نے مولوی یوسف کے ساتھ UNDER STANDING کا اعتراف کر لیا۔

مولوی یوسف شاہ کے حمائیتیوں کو تعزیری ٹیکس سے مستثنیٰ رکھنے کی شانِ نزول یوں ہوئی تعزیری ٹیکس کی وصولی میں انتہائی سفاکی اور بے رحمی سے کام لیا جانے لگا اور کئی محلّوں میر واعظ مولوی یوسف شاہ کی پارٹی کے افراد بھی اس زد میں آئے تو سرکردہ وفادارانِ سرکار سرینگر شہر یوں نے اظہارِ ناراضگی شروع کیا۔ ان ہی ایام میں مولوی صاحب کے سہ روزہ اخبار

"اسلام" سرینگر کی ادارت شری پریم ناتھ کنہ کے بجائے علامہ حسین میر کشمیری نے سنبھالی تھی۔ یہ لاہور کے کئی مشہور و ممتاز اخباروں میں کام کر چکے تھے، اور بہترین مقالہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے تعزیری ٹیکس کی اندھا دھند وصولی کے خلاف زبردست اداریئے لکھے اور حکومت پر اعلان کرنے کے لیے مجبور ہوئی۔

کشمیری پنڈت، ہندو اور یوسف شاہی مسلمان جرمانوں اور تعزیری ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ اس کے علاوہ وہ وفادار شہری جن کی شرافت اور نیک چلنی کی سفارش کمشنر پیش کرتے وہ ٹیکٹکی، تعزیری ٹیکس اور دیگر جرائم سے مبرا ہوں گے۔ پیس کمشنروں میں کچھ وکیل، مولوی اور مفتی شامل تھے، جو حکومت نے نامزد کیے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے اپنے اس "حکومت داد منصب" کو حصول آمدنی کے لیے استعمال کیا اور مظلوم و مجبور خلق خدا سے ایک ضرب بید معاف کرانے کے لیے ایک روپیہ حقِ خدمت مقرر کیا — اور اپنے اس مشغلہ سے یہ ملا اور مفتیانِ کرام کافی روپے بٹورتے رہے۔

تعزیری ٹیکس کی وصولی کے لیے سب سے پہلے سرکاری احکام کی یہ نوعیت رہی کہ علاقہ خانیار سے /130 روپے، علاقہ زینہ کدل بھوری کدل و مہاراج گنج سے /600 روپے و باغ محلہ سے /200 روپے، محلہ راہ بابا صاحب سے /300 روپے، مائیسمہ سے /150 روپے، ڈب تل سے /125 روپے، خانقاہ معلیٰ سے /130 روپے۔ اسی طرح کے حساب سے دوسرے متاثرین علاقوں سے تعزیری ٹیکس وصول کیا گیا۔ اگر وصولی میں کسی آسامی سے کچھ توقف ہوتا تو اثاث البیت دریچے، چھت کے تختے، مشورات کے چرخے، کھانے پینے کے برتن وغیرہ نیلام کیے جاتے۔

اس بارے میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دولت آباد خانیار کے عزیز مغل غریب تبروار سے پولیس آفیسر عبدالکریم نے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ امن کمشنر کسی مولوی یا مفتی سے "وفاداری" کی سرٹیفکیٹ لائے تو اس گھر کے دروازے اور کھڑکیاں محفوظ رہ سکتی ہیں مگر اس شخص نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ "غدارانِ قوم" کے پاس جانے سے بہتر یہی ہے کہ میرا یہ گھر نیلام کیا جائے۔"

۷ راگست کو شیخ صاحب اپنے دیگر ساتھیوں سمیت جیل سے رہا کیے گئے۔ ان کی رہائی پر شہر میں جگہ جگہ شادیانے منائے گئے۔ ۱۵ راگست کو ان کے اعزاز میں حضوری باغ میں جلسہ ہوا اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں اور سکھوں نے بھی جلسے میں شرکت کی، شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر میں

...ی یوسف شاہ کو ہدفِ ملامت بنایا۔

...۱۷ راگست کو میر واعظ مولوی یوسف شاہ سرائے بالا کے آستانہ عالیہ میں واعظ خوانی کے لیے ...ابھی وہ واعظ شروع بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ پتھراؤ شروع ہو گیا۔

...ملٹری اور پولیس نے فوری طور پر مولوی صاحب کو اپنے گھیرے میں باہر نکال لایا۔ دیکھتے ہی ...ہری سنگھ ہائی اسٹریٹ، امیرا کدل اور مائیسمہ فسادات کی زد میں آ گئے۔ مولوی یوسف شاہ ...میوں کو بھاگتے دیکھ کر پہلی بار انہیں "بکرا چے" کہہ کر ان کی تذلیل کی گئی۔ فسادات شہر ...اندرونی علاقوں میں بھی پھیل گئے۔

اس طرح شہر سرینگر کے مسلمان باضابطہ دو حصّوں میں بٹ گئے۔

...لوٹ مار کے واقعات عام ہوئے "شیر اور بکرا" زبان زدِ عام تھا ہی کہ اس میں حضرت علی ...اللہ وجہہٗ کو شامل کر کے پست ذہنیت کا ثبوت دیا گیا۔

ایک دوسرے کی مار پیٹ اور لوٹ مار کے دوران مخالف جماعت کا فرد نظر آیا تو اس کو گھیرے ...لے کر نعرہ لگایا جاتا "یا علی" اس کے جواب میں "ململی" پکارا جاتا اور اس کے ساتھ ہی گھیرے میں ...خص کے سر سے "ململی پگڑی" اُتار دی جاتی۔

اس حرکت کے لیے بدلے کی کارروائی میں جب کہیں دوسری پارٹی کے شخص کو پکڑا جاتا تو یکایک ...کے گرد گھیرا ڈال کر نعرہ دیا جاتا "حیدری" اور جواب دینے والے کہتے "چادری" اور اس ...نعرے کے ساتھ ہی گھیرے میں لیے جانے والے شخص کے کندھے سے اونی یا سوتی جو بھی چادر ...اتار دی جاتی تھی۔

...ایک پارٹی کا شخص دوسری پارٹی کے محلے سے گزرتا تو اُسے کمرے میں بند کر کے ایک تو خوب ...ب کیا جاتا دوسرا اُسے فاقہ رکھ کر آدھ مرا کیا جاتا، نیم بسمل ہونے کے بعد اسے رہا کیا جاتا۔

...شہر سرینگر میں "شیر بکرا" لڑائی نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ خاوندوں نے بیویوں کو ...ں لیے طلاق دیدی کہ اُن کے والدین شیخ عبداللہ یا مولوی یوسف شاہ کے معتقدوں میں سے ...ر ہمارے یہ لیڈران قوم ان باتوں کو اپنی فتح و شان سمجھ کر فتنہ پروروں، فسادیوں اور کم ...کوان کے کالے کرتوتوں پر شاباشی دیتے تھے۔ ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ دونوں لیڈرانِ ...ے سانڈوں کو مسلمانوں کی پگڑیاں اُچھالنے چادریں اُتارنے کے ساتھ ساتھ انھیں زدوکوب ...کی ترغیب دیتے تھے۔

شیخ عبداللہ تو بذاتِ خود اِسٹک ہاتھ میں لے کر مائیسمہ کے ڈرائیوروں کی قیادت کرتے ہوئے بکروں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ شیر پارٹی نے تو بعد میں فسادیوں کی ایک ٹولی منظم کی جس کی کمانڈ بخشی غلام محمد کے سپرد کی گئی۔ فسادیوں کی ٹولی بنا کر انہیں مسلمانوں کو عبرت ناک سزائیں دینے کے لیے نہ صرف ڈنڈے فراہم کیے گئے بلکہ انھیں وردیاں بھی دی گئیں۔ اس فسادی ٹولی کا نام "مائیسمہ رجمنٹ" رکھدیا گیا۔

بقول چوہدری غلام عباس خان :-

"میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان شدید اختلافات رونما ہونا شروع ہوگئے۔ اختلافات کی یہ جنگ یقیناً مفادِ ملت کے خلاف تھی، دیکھا جائے تو اقتدار کی اس جنگ کے لیے یہ کوئی موزوں وقت نہ تھا۔ میرواعظ کو احساس ہو چلا تھا کہ عبداللہ اب ہماری خاندانی پوزیشن ملیامیٹ کردے گا اور میرواعظوں کا قدیمی وقار و اعتبار ختم ہوجائے گا۔

ادھر شیخ عبداللہ جانتے تھے جب تک میرواعظ کا گھرانا سیاسی مذہبی اور قومی لحاظ سے سالم و ثابت ہے وہ کشمیر کا واحد لیڈر نہ بن سکے گا۔ اس بارے میں ابندارکس نے کی یہ کہنا ذرا مشکل ہے، میرواعظ اپنے مخصوص مذہبی ماحول کی وجہ سے قید و بند کے لئے موزوں نہ تھے گو قید و بند کے معاملے شیخ عبداللہ بھی پھسڈی واقع ہوئے تھے جو چور دروازے کے ذریعے ہی سے جیل سے باہر آئے وہ وقت کی پکار، ضرورت اور مجبوری کے "محاسن" سے خوب واقف تھے۔"

شہر سرینگر کا "شیر بکرا" تناؤ شہر سے نکل کر دیہات اور قصبہ جات میں بھی پھیل گیا چونکہ دیہات اور قصبہ جات میں مولوی یوسف شاہ کے حامی بہت کم تعداد میں تھے اس لیے وہ شیر پارٹی کے مقابلے میں نہیں آسکتے، البتہ مولوی خاندان کے یہ حمایتی دیہات سے کسی کام کے لیے شہر آجاتے تو شیروں کے ہاتھوں ضرور پٹ جاتے۔ اس طرح کی حرکات سے وہ شیرِ کشمیر کے شیدائی بھی شیروں کے ہاتھ مار پیٹ سے بچ نہ سکے جو داڑھی کے ساتھ سر پر دستار اور کندھے پر چادر رکھ کر شہر آجاتے تھے۔

مسلم رہنماؤں کے یہ سیاہ کارنامے جن سے مسلمان شرمسار تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ ڈوگرہ حکومت اس کا خوب حظ اُٹھا رہی تھی۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ڈوگرہ راج کے خلاف سولِ نافرمانی کی تحریک

شہر میں "شیر بکرا" فسادات نے شدت اختیار کرلی اور اس کے کارن جب کئی دُکانیں اور گھرانے لٹ گئے اور بہت سے لوگ زخمی ہوگئے تو حکومت حرکت میں آگئی۔ خلیل وانی کی موت پر جب طرفین میں باضابطہ جنگ شروع ہوگئی تو حالات پر قابو پانے کے لیے حکومت نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کرانے کا اعلان کیا۔ حالانکہ دفعہ ۱۹ اپل پہلے ہی نافذ کردیا گیا تھا۔

لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے حکومت نے طاقت کا بھرپور استعمال کیا تو مسلم رہنماؤں نے حکومت کی اس کاروائی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

احتجاجی جلسہ منعقد کرانے کے لیے لوگوں کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کی منادی کرائی گئی، خانقاہ معلیٰ کے جلسے میں شیخ محمد عبداللہ نے غلام نبی کلکار، بخشی غلام محمد اور پیر افضل مخدومی کی موجودگی میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"میں گرفتار ہو رہا ہوں میری گرفتاری کے بعد تحریک کو جاری رکھا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی انھوں نے عوام سے رخصت مانگی۔ لوگ سخت جذباتی ہوگئے۔ انھوں نے شیخ صاحب کے ساتھ جیل جانے کی پیش کش کی — ایک افراتفری مچ گئی۔

لوگ مظاہرہ کرنے لگے۔ اسی دوران ملٹری نے علاقہ کو گھیر لیا۔ شیخ عبداللہ نے اسٹیج سے اُتر کر آپ کو پولیس کے حوالہ کیا۔ زینہ کدل کے پاس گورنر اور اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

شیخ صاحب کی گرفتاری نے جلتی پر تیل کا کام کیا، جلسے اور جلوس شروع ہوگئے، بخشی غلام محمد کی ہمت لوگوں نے دفعہ ۱۴۴ کی دھجیاں اڑادیں، نوہٹہ اور مائیسمہ میں ہجوم نے پولیس پر پتھراؤ کیا جس کے بعد گولیاں چلائی گئیں، کئی آدمی شدید زخمی ہوئے۔ اگلے روز مردوں کی دیکھا دیکھی عورتوں

اور بچوں کے جلوس بھی نکلے۔ ایک بڑا جلوس امیرا کدل میں جمع ہوگیا۔ خانقاہ معلیٰ میں لوگ جمع ہوکر جلوس کی صورت میں نکلے تو اس جلوس کے آگے آگے سبز پرچم لہرا کر ایک نئی روایت کی ابتدا کی گئی، خواجہ غلام محی الدین ٹنکی سبز پرچم ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، جی، ایم ڈار پاپولر موٹر کمپنی اور خواجہ غلام احمد خاں (ڈائریکٹر فوڈ کنٹرول) ان کے دائیں اور بائیں ہاتھ کھڑا کر کے لوگوں میں جوش اور جذبہ پیدا کر رہے تھے۔ جلوس کی قیادت عبدالغنی دِلنہ، صوفی محمد اکبر، آغا مرتضیٰ جلالی، سید محمد امین، خواجہ سیف الدین گنائی، غلام محی الدین ہمدانی، ایم اے صابر، پیر ضیاء الدین، منشی امیر الدین، شیخ محمد اکبر، پیر حسام الدین گیلانی، منشی عبدالعزیز، محمد مقبول وٹالی، غلام حیدر خاں، مختار احمد، عبدالکبیر خاں، محمد یوسف کونسٹبل، ماسٹر ولی محمد ملک، غلام محمد چکن اور حکیم عبدالحئی کے ساتھ اور بھی بہت سارے کارکن کر رہے تھے۔

اس جلوس کو دیکھنے کے لیے نیڈوز ہوٹل روڈ، ڈلگیٹ اور سونوار میں لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ جلوس اتنا بڑا اور منظم تھا کہ چند میل کا فاصلہ اسے کئی گھنٹوں میں طے کرنا پڑا، اس جلوس کے انتظار میں دور دراز کے لوگ رات بھر سڑکوں پر پڑے رہے۔

امیرا کدل پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ سارا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لوگ بڑی بڑی سڑکوں اور ناکوں پر پکٹنگ کر رہے تھے۔ سونوار، درگجن، ریذیڈنسی روڈ پر آنے جانے والے پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین اور بچوں کو بھی زدوکوب کیا گیا۔ جگہ جگہ کینگ کی گئی اور ٹکٹکی لگائی گئی۔ اس جور وظلم کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مولوی عبداللہ وکیل اور سعد الدین شال نے اعلان کرایا کہ لوگ خانقاہ معلیٰ میں جمع ہو جائیں۔

یہاں پر ایک عظیم الشان جلسہ ہوا مقررین نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں، بخشی غلام محمد نے دس ہزار والنٹیر بھرتی کرنے کی تجویز پیش کی جن کے لیے وردی کا انتظام کرانے کا سجھاؤ دیا گیا۔

اگلے روز میٹنگ میں تحریک کے لیے چندہ جمع کرنے اور والنٹیروں کے لیے مختلف مقامات پر حکومت کے خلاف آوازیں بلند کر کے گرفتاریاں دینے کا فیصلہ لیا گیا۔

سول نافرمانی کی تحریک کو جیل بھرو تحریک کا بھی نام دیا گیا۔

والنٹیروں کے لیے وردی کا انتظام احراری لیڈروں نے اپنے ذمے لے لیا۔

سول نافرمانی کی اس تحریک کی پشت پر یہی احراری لیڈر تھے۔

سرینگر کے علاوہ جب یہ تحریک قصبات میں بھی پھیل گئی تو حکومت میں ایک لرزہ سا طاری

ہوگیا۔ اسی دوران خبر آئی، ہندواڑہ، بارہمولہ، سوپور، اسلام آباد اور گاندربل میں شورش نے شدت اختیار کر لی۔ گورنر نے مولوی عبداللہ وکیل، غلام احمد عشائی، سعد الدین شال اور میر مقبول کو بلا کر ان سے شورش روکنے میں مدد مانگی اور اس کے عوض قیدیوں کی رہائی کا انہیں یقین دلایا گیا — واپسی پر انھوں نے لوگوں میں خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کے لیے اعلان کرایا، جب کافی لوگ جمع ہوگئے تو انھوں نے گورنر کے ساتھ بات چیت کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ان لیڈروں نے تحریک کو جاری رکھنے کا مکرر اعلان کیا۔

۶ جون ۱۹۳۳ء کو رات کے وقت توپ چلی، آواز سن کر لوگ ششدر رہ گئے اور اکثر لوگ اٹھ کر کھڑکیوں اور چھتوں سے دیکھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

اسی دوران کئی لوگوں نے چھتوں پر چڑھ کر حکومت کے خلاف نعرے لگائے، اس طرح اس قسم کے مظاہروں کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔

ریشم خانہ کے مزدور لیڈر کی گرفتاری پر ریشم خانہ میں ہڑتال ہوئی۔ چنانچہ مزدوروں کو تحریک میں شامل ہونے کے لیے ریشم خانہ کے گیٹ پر بارہ بارہ کیبن لگائے گئے۔

دن بھر جلسے جلوس اور رات کو چھتوں پر چڑھ کر حکومت کے خلاف نعرے لگانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ۹ جون ۱۹۳۳ء کو خانقاہ معلیٰ میں ۲۴ ڈکٹیٹروں نے ایک ایک کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، ان میں سے سات ڈکٹیٹر وردی پہن کر آئے تھے۔ بڑے پیمانے پر گرفتاری دینے والے ان جوانوں کی قیادت صدر الدین بچھ کر رہے تھے۔ اسی روز ان کا نام مجاہد پڑ گیا۔ گرفتاری سے قبل ان نوجوانوں میں چند ایک نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ اسی روز باضابطہ طور پر سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ جیل بھرو تحریک شروع ہوگئی۔

اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے والے کینگ کھانے والے اور بید زنی کا شکار ہونے والے والنٹیر جنہیں ڈکٹیٹر بھی کہا جاتا تھا۔ تحریک میں نئی جان ڈالنے کے موجب بن گئے۔

وادیٔ کشمیر کے ساتھ ساتھ جموں میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں عبدالمجید قریشی اور محمد امین نے حکومت کے خلاف آواز بلند کر کے اپنے آپ کو گرفتار کروایا۔ گرفتاریوں کے سلسلے میں ملک شیر محمد خاں، سرفراز خان، مولوی محمد مقبول سیاکھوی، میجر محمد خاں صاحب، سید ولایت حسین، فتح محمد، فقیر سالک ہمدانی، قلندر شاہ، دین محمد، محمد اسماعیل ساغر، شوکت علی چوہدری، عبداللہ خاں بھلی، فقیر علی وغیرہ پیش پیش تھے۔

وادی میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے والے والنٹیروں میں صدر الدین بچھ، غلام نبی

رفیقی، محمد سکندر خان، غلام نبی وانی، محمد امین فاروقی، نورالدین بانڈے، محمد امین قریشی، مفتی قوام الدین، عبدالغنی ترالی، محمد اسماعیل اور ثناء اللہ ڈار نے اگرچہ ابتدا کی لیکن یہ ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو مدّتوں تک جاری رہا۔ سول نافرمانی کی اس تحریک کے ساتھ ساتھ مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کے درمیان اختلافات کی خلیج بھی بڑھ گئی دونوں لیڈر دو مختلف لائینوں پر چلنے لگے، شیخ عبداللہ کے حامی والنٹیروں کی دیکھا دیکھی مولوی یوسف شاہ نے بھی والنٹیروں کی پلٹن ترتیب دی۔ انھوں نے اپنی پارٹی کا نام آزاد پارٹی رکھدیا۔

۱۴ رجون کو صفاکدل میں خالق حجام نے رات کو چھت پر چڑھ کر نعرہ بلند کیا، گشت پر لگے سپاہی اسی وقت ان کا دروازہ توڑ کر اندر آئے اور انہیں باہر نکال لائے پہلے اسے خوب زدوکوب کیا پھر اسے پل سے دریا میں پھینک دیا۔ دوسرے روز جب اس کی لاش دریا میں تیرتی دکھائی دی تو علاقہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق خانقاہ معلیٰ میں جمع ہوگئے۔ لاش کو حاصل کرنے کے لیے ایک ہنگامی میٹنگ بلائی گئی۔ علی گوہر خاں کی مداخلت سے لاش ہسپتال پہنچائی گئی، انسپکٹر جنرل پیل نے ورکنگ کمیٹی کے وفد کو بلوا کر انہیں متنبہ کیا کہ وہ کسی قسم کا فساد بپا نہ کریں۔ اس موقع پر شیخ عبدالحمید نے مسٹر پیل سے گاندربل کا پولیس آفیسر ہٹانے کو کہا جن کے بارے میں شکایت تھی کہ انھوں نے گاندربل میں مظاہرین پر اپنے حکم سے گولی چلوائی تھی۔ گاندربل کی اس واردات کی پاداش میں وہاں کے تھانیدار اور تحصیلدار کو معطل کیا گیا۔ مسٹر پیل کا خیال تھا ایسا کرنے سے شورش دب جائے گی۔ لیکن اگلے روز مولانا محمد سعید مسعودی اور میر غلام حسن قادری نے خانقاہ معلیٰ میں تقریر کرتے ہوئے حکومت کو وارننگ دی کہ اگر شیخ عبداللہ کو فوری طور پر رہا نہ کیا گیا تو ہم گرفتاریوں کا سلسلہ پھر شروع کریں گے۔

اس وارننگ نے انسپکٹر جنرل مسٹر پیل کے ہوش اُڑا دیئے، انھوں نے حکومت سے شیخ عبداللہ کی رہائی کی سفارش کی لیکن جب حکومت نے کوئی ایکشن نہیں لیا تو مختلف مقامات پر ہاتھ سے لکھے گئے پوسٹر چسپاں کر کے حکومت کو متنبہ کیا گیا۔ ان پوسٹروں میں دوکانداروں سے ہڑتال کرنے کو کہا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام دوکانیں بند ہوگئیں، صرف ہندوؤں کی دُکانیں کھلی رہیں جن میں سے چند ایک دکانیں بلوائیوں نے لوٹ لیں۔

عبدالعزیز نامی ایک نوجوان کفن پہنکر اسٹیج پر آیا اور اپنے آپ کو گرفتار کروایا اس نوجوان کی تقریر اتنی پُراثر تھی کہ حاضرین رونے لگے۔

ورکنگ کمیٹی کی ہدایت پر محلہ وار کمیٹیاں بنائی گئیں۔

ایک برطانوی لیڈی ندرسول کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی جتانے پر ملک بدر کیا گیا۔ مولوی یوسف شاہ پر دوران وعظ جامع مسجد میں ہوٹنگ کی گئی تو وہ سخت طیش میں آگئے۔ ان سے ہمدردی جتانے کے لیے چند مسلم رہنماؤں کے ساتھ جیالال کلم، کیشپ بندھو، تاراچند ترسل اور نندلال کول ان کے ہاں آگئے۔ یہاں مشترکہ کئی قراردیں پاس کی گئیں اور یہ قراردادیں ہرگوپال کے ذریعے حکومت تک پہنچائی گئیں، ایک قرارداد میں مولوی یوسف شاہ کی بے حرمتی کرنے پر سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی۔

نواکدل اور صفاکدل میں غیر مسلموں کو جو لوٹ کا شکار بنایا گیا تھا۔ اس کے ذمہ دار افراد کی گرفتاری کا مطالبہ کیا گیا۔

مفتی قوام الدین نے جامع مسجد میں ان مطالبات کو دُہرا کر حکومت کو وارننگ دی تو اس کے جواب میں شیخ عبدالحمید نے مولوی یوسف شاہ پر حکومت کے ساتھ سازش میں شریک ہونے کا الزام لگایا۔

مولوی یوسف شاہ کے حکومت کا آلہ کار ہونے کا ثبوت اُن کے اخبار "اسلام" کے اجراء سے ملا، کسی اخبار کے اجراء کے لیے عام طور پر جو لوازمات پورا کرنے ہوتے ہیں ان میں برسوں نہیں تو مہینوں ضرور لگ جاتے تھے، اور اس کے لیے باضابطہ طور پر ضمانت ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن ادھر مولوی صاحب نے درخواست دی اور ادھر اخبار کا ڈیکلریشن اجراء ہوا۔

"اخبارِ اسلام" کے فوراً بعد شیخ عبدالحمید قائمقام صدر مسلم کانفرنس نے ایک پمفلٹ نکالا جس میں شیخ عبداللہ کی رہائی سے متعلق جدوجہد کرنے کا ٹائم ٹیبل اُجاگر کیا۔ ۷ راگست ۱۹۳۳ء کو شیخ عبداللہ، بخشی غلام محمد، مفتی ضیاء الدین، غلام محی الدین بیہقی مولوی غلام نبی، منشی اسد اللہ وکیل وغیرہ رہا کیے گئے۔

مولوی غلام نبی اور اسد اللہ وکیل کے بغیر باقی قیدیوں کو گاڑی میں بٹھا کر بجبہارہ کے ایک بنگلے میں لایا گیا۔ یہاں ان کے آمد کی اطلاع پھیلتے ہی سینکڑوں کی تعداد میں مرد، عورتیں بوڑھے اور بچے جوق در جوق آنے لگے۔

مفتی ضیاء الدین نے حاضرین کو خانقاہ معلیٰ میں جمع ہونے کے لیے کہا بعد میں ان سبھی رہا شدہ قیدیوں کو ایک جلوس کی صورت میں خانقاہ معلیٰ کی طرف لایا گیا۔ جلوس کے لیے گورنر نے پہلے ہی روٹ مقرر کیا لیکن یہ روٹ بعض من چلے جوانوں نے نامنظور کیا، چنانچہ مہاراج گنج پہنچتے ہی لوگوں نے

ستیہ گرہ شروع کی، یہاں پر غلام گیلانی نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔

بخشی غلام محمد نے دھمکی دی، ہم تب تک یہیں رہیں گے جب تک ہمیں اپنی مرضی کے روٹ پر چلنے کی اجازت نہیں ملتی، حکومت نے اس دھمکی کا سخت نوٹس لیا۔

جلوس پر ملٹری نے ڈنڈے برسائے ایک بھگدڑ سی مچ گئی، اس بھگدڑ میں ملٹری جن افراد کو پکڑ کر لے گئی ان میں سے ریکارڈ میں یہ نام دستیاب ہو سکے ہیں۔

میر مقبول گیلانی، خواجہ ثناء اللہ، چوہدری محمد شفیع، شیخ غلام علی، پیر مقبول شاہ، مفتی جلال الدین، پیر محمد افضل، عبدالرحیم، حسام الدین بانڈے، منشی امیر الدین، غلام رسول عارف، عطاء اللہ، محمد امین، محی الدین (نور) محمد یوسف، غلام احمد بٹ، منشی عبدالعزیز، پیر حسام الدین گیلانی، شیخ غلام محی الدین، چودھری عبداللہ خان، پیر ضیاء الدین، منشی غلام محمد خادم، عبدالعزیز شال، سید محمد امین، محمد مقبول ککرو۔ عبدالرحمان طوری، سید محمد مقبول بیہقی، نذیر احمد، شیخ محمد اکبر، شیخ محمد امین، عزیز کشمیری، غلام احمد خان زرو، مولوی عبداللہ شاہ، غلام رسول خان، علی محمد طارق غلام احمد وانی، عبدالرزاق کنگ، محمد رجب، محمد یوسف، احمد اللہ شہدار، خواجہ علی محمد پٹو، محمد سلطان لکڑی فروش۔ محمد سبحان بٹ، نور محمد (بک سیلر) شیخ عبدالصمد، ولی محمد وانی، حبیب اللہ زرگر اور عبدالرحمان اسٹور وغیرہ۔

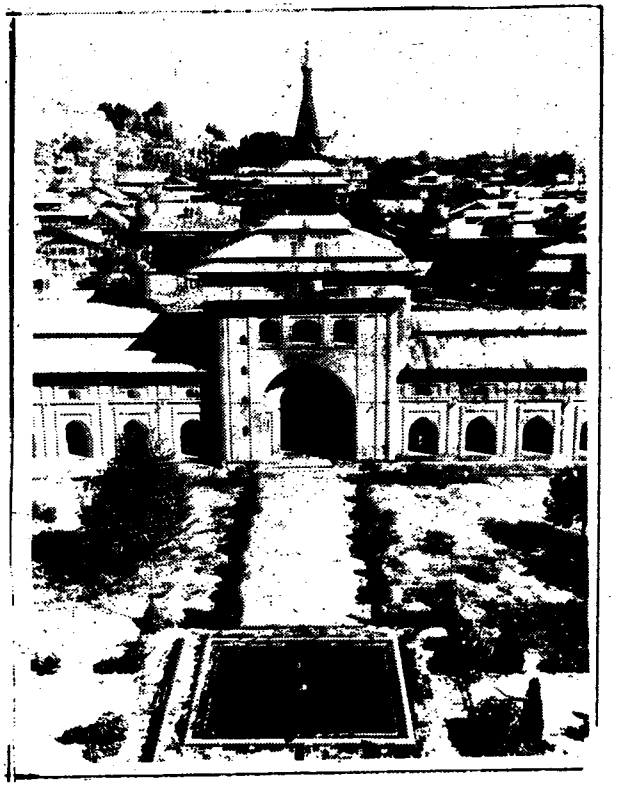
ان اصحاب میں سے کئی جلدی ہی چھوڑ دیئے گئے البتہ بیشتر کو مختلف جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ وادی کے ساتھ ساتھ جموں، راجوری اور پونچھ میں بھی گرفتاریوں کے ساتھ ساتھ جور و ظلم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس دوران حکومت کے عتاب کے جو لوگ شکار ہوئے ان میں مرزا امیر حسین، مولانا عبدالعزیز، آغا شیر نواب، سردار خادم حسین، محمد رشید مرزا، محمد رفیق مرزا، محمد یعقوب درانی، چوہدری سلطان علی، چودھری نیاز احمد، عطاء اللہ خان، چودھری صحبت علی، نور الدین صحاف، مرزا فقیر محمد، راجہ کریم اللہ، عبدالمجید دائیں، سید حسن نقوی، مرزا مولاداد اور سردار فیض علی قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی یوسف شاہ نے اسی دوران اپنے اخبار "اسلام" میں شیر پارٹی کے خلاف مضامین لکھکر ایک زوردار مہم شروع کی۔ اس اخبار کے کئی اقتباسات پر دیگر مسلم رہنماؤں نے سخت اعتراض کیا چنانچہ مفتی ضیاء الدین نے مولوی یوسف شاہ کے پاس جاکر شکایت کی اور ان سے تحریک کی کامیابی کی خاطر شیخ عبداللہ کے ساتھ صلح کرنے کا مشورہ دیا۔

مولوی یوسف شاہ نے اس سلسلے میں اپنی پارٹی سے مشورہ کرنے کی مہلت مانگی، اگلے روز

جب مفتی ضیاء الدین ان سے ملنے آئے تو انھوں نے ۸ صفحات پر مشتمل ایک چٹھی ان کے حوالے کر دی جس میں صلح صفائی کے لیے شرائط درج تھیں۔ شیخ صاحب نے اس چٹھی کو پڑھ کر ورکنگ کمیٹی کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ بھی اس پر غور کر سکیں۔ چونکہ ان شرائط میں مولوی عبداللہ گروپ کو تنظیم سے نکالنے کی بھی شرط تھی، اس لیے اسے قابلِ غور نہ سمجھ کر معاملے کو ملتوی رکھا گیا۔

سید مبارک علی شاہین نے اپنے اخبار "مظلوم کشمیر" کے ذریعے مسلم اتحاد کے لیے نہ صرف زوردار آرٹیکل لکھے بلکہ مسلم رہنماؤں کو متحد ہو کر ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لینے کے لیے اُکسایا۔ سید مبارک شاہین اخبار "مظلوم کشمیر" کی ادارت کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر کے مظلومین کے لیے ڈوگرہ راج سے خود بھی برسرِ پیکار تھے۔



جامع مسجد سرینگر

جہاں سے تحریکِ حرّیت کا آغاز کیا گیا

ہڑتال ہے فساد ہے کرفیو ہے بندھ ہے
کیا کیا ہیں میرے بحر کے اسباب شہر میں

بخشی غلام محمّد کی والینٹر فورس، ڈکٹیٹروں کی گرفتاریاں

بخشی غلام محمد کی قیادت میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو دو ہزار والینٹروں پر مشتمل ایک فورس نے شہر کی بڑی بڑی سڑکوں پر مارچ پاسٹ کیا، اس جلوس کو احراری لیڈر تاج الدین احمد نے منظم کیا اور والینٹروں کی وردیاں احراریوں نے ہی فراہم کی تھیں، اس جلوس کے آگے آگے گھوڑے پر سوار محمد مقبول حکاک سبز پرچم ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ والینٹر مختلف رنگوں کی وردیوں میں ملبوس تھے۔



بخشی غلام محمد

یہ والینٹر فورس پتھر مسجد سے امیرا کدل، اور واپس براستہ مزار شہداء، نوہٹہ، زینہ کدل، مہاراج گنج، بلبل لنکر، صفا کدل اور واپس براستہ عالی کدل گھنٹہ گھر محلہ پتھر مسجد میں شام کو اختتام پذیر ہوا۔

ایسا ہی ایک اور جلوس اگلے ماہ نکالا گیا۔ اس جلوس کی قیادت بخشی غلام محمد خود کر رہے تھے جلوس کے آگے آگے سائیکل سوار اور ان کے پیچھے گھڑ سوار تھے، سب سے آگے بینڈ باجہ تھا۔ والینٹر مختلف رنگوں کی وردیوں میں ملبوس تحریک حرّیت کی نظمیں پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

جلوس کے اختتام پر رات کو شہر کے مختلف علاقوں میں چھاپے مار کر جن اصحاب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں راجہ محمد اکبر خان، مرزا محمد افضل بیگ، غلام محی الدین قرہ، غلام حسین کرمانی محمد شفیع صرّاف، میر غلام نبی، جلال الدین قریشی، ڈاکٹر ہارون رشید، غلام رسول لاوے، عبدالسلام بیتو، مولوی عبداللہ شوپیانی، مفتی ضیاء الدین، سید مبارک شاہ اندرابی، سید

محی الدین قریشی، سید خادم حسین، غلام محی الدّین (رہبر) پیرزادہ طیوب شاہ، جیل بابا، حاجی غلام نبی، غلام قادر مصالحہ، خواجہ محمد سلطان وانی، عبدالغفار چاپری، محمد اسحاق، عبدالسلام ملیالہر، محمد عبداللہ لون، غلام محمد رفیق، ماسٹر کھانڈے خان، مولوی بشیر، علی محمد طارق، عبدالغفار، غلام احمد صوفی، غلام حسن خان، محمد عبداللہ ذیلدار، مرزا غلام قادر بیگ، عبدالکبیر خان، شیخ محمد اکبر، شیخ عبدالصمد، سید عبدالغفور، عبدالرحیم، پیر افضل مخدومی، عبدالرحیم ڈار، ڈاکٹر عبدالوحد آغا مرتضیٰ جلالی، شیخ غلام محی الدین، احمد شاہ فاضلی، اور غلام محمد زندہ دل وغیرہ۔

جنوری ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتے میں پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ بی اے کو اے ایس پی کے عہدے سے تنزل کر کے انہیں انسپکٹر کے عہدے پر لایا گیا۔ ان کے تنزلِ عہدہ پر وادی بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ سرینگر میں حکومت کی اس کارروائی کے خلاف ہڑتال ہوئی۔ تحریک کے حمایتی اخبارات نے حکیم حبیب اللہ کے تنزلی عہدہ پر نہ صرف احتجاجی مراسلے شائع کیے، بلکہ اخبار "صداقت" نے اپنے ہفتہ وار اخبار کا ایک ضمیمہ بھی نکالا جس میں حکیم حبیب اللہ اے، ایس، پی کی عہدے سے تنزلی پر ڈوگرہ حکمرانوں کا کچا چٹھا نکال دیا۔ اور اسے مسلم دشمنی کے ساتھ تعبیر کیا۔

جنوری ۱۹۳۴ء کو مولوی محمد یوسف شاہ پنجاب کے لیے روانہ ہو گئے ان کے پنجاب جانے کی مختلف تاویلیں کی گئیں اور کئی افواہیں پھیلائی گئیں۔ اسی دوران خانقاہِ معلیٰ کے صحن میں ایک عظیم الشان پبلک جلسہ منعقد کرانے کی اطلاع عام کرائی گئی۔

وائینٹر وردیاں پہن کر اور بستر وغیرہ ساتھ لیکر جلسے میں حاضر ہوئے تاکہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر سکیں، اس روز خانقاہ معلیٰ اور اس کے آس پاس کوئی پچاس ہزار کے قریب لوگ یہاں جمع ہو گئے۔ اجتماع سے مولانا محمد سعید مسعودی نے خطاب فرمایا۔ ایک جوشیلی تقریر کے بعد انھوں نے مطالبات کا ایک چارٹر پڑھ کر سنایا، اس دوران بخشی غلام محمد، منشی نصیر الدین، صوفی محمد اکبر، غلام محمد صادق، اور غلام محی الدین ہمدانی اسسٹنٹ گورنر کے پاس اس میمورنڈم کی کاپی لے کر گئے تھے۔ اسسٹنٹ گورنر نے میمورنڈم پر غور کرنے کا یقین دلایا۔ واپسی پر اجتماع میں وفد نے اس یقین دہانی کا اعلان کیا۔

جلسہ کے اختتام پر حکومت نے مولوی محمد سعید، غلام مصطفےٰ، محی الدین اندرابی اور ینگ عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اور کئی لوگوں کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے۔ شہر میں ایک طلاطم بپا ہو گیا۔ دکانیں احتجاجی طور پر بند ہو گئیں۔

پانچ پانچ ڈکٹیٹروں کا گروپ نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے لگا۔ پتھر مسجد کے
س پولیس نے بچوں کے ایک گروپ پر حملہ کیا، دو بچے شدید زخمی ہو گئے پولیس کے ساتھ مڈبھیڑ
س پیر محمد مقبول اور محمد ایوب صابر کو گرفتار کر لیا گیا۔ دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں تھانہ پہنچایا
یا۔ غلام محمد پنڈت، عبدالعزیز فاضلی مقید تھے۔ صدرالدین بچھ کو دوبارہ گرفتار کر کے جلائے
ن کیا گیا۔ اس روز تقریباً چالیس ڈکٹیٹر گرفتار کر لیے گئے۔ ان ڈکٹیٹروں کی گرفتاری کا منظر دیکھنے
ے لیے لوگ جمع ہوتے تو پولیس انھیں بھگا دیتی، وہ پھر جمع ہو جاتے اور یہ پھر انھیں بھگا دیتے اس
ح دن بھر ایک ہنگامہ جاری رہا۔

صدرالدین بچھ کی گرفتاری کے دوران جب لوگ بھاگنے کے بجائے زمین پر لیٹ گئے تو پولیس
ے دردی سے ان پر کوڑے برسانے لگی، کئی لوگوں کی حالت خراب ہو گئی، بخشی غلام محمد نے سامنے
کر پولیس کو پیچھے ہٹا دیا۔ زینہ کدل، امیرا کدل، نوہٹہ، درگجن اور سونوار میں مظاہرین پر ٹکٹکی لگائی
ئی۔ خانقاہ معلیٰ میں پیرزادہ محمد شفیع نامی جوان نے کفن پہن کر تقریر کی، انھوں نے صدرالدین
ی جلاوطنی پر زبردست احتجاج کیا اور حکومت کو فیصلہ واپس لینے کی وارننگ دی۔ انھوں نے
ک ایجی ٹیشن جاری رکھنے کا عہد کیا جب تک ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا۔ انھوں نے یہ دھمکی بھی
ں کہ ہم اپنی آزاد اسمبلی لے کر ہی دم لیں گے۔ محمد شفیع کی گرفتاری پر ایک کالج اسٹوڈنٹ شیخ محی الدین
زبردست پروٹسٹ کیا۔ اپنی تقریر میں انھوں نے ڈوگرہ حکومت کو زبردست دھمکی دی۔ انکی
فتاری پر کئی مقامات پر بلوے ہوئے، شہر کو فوج کے حوالے کیا گیا اسی شیخ محی الدین کو ۱۹۴۸ء میں شیخ
ر عبداللہ نے اپنی وزارت میں انجمن اقوام متحدہ کے نمائندے ڈاکٹر فرینک گراہم کے ساتھ مسئلہ کشمیر
بات چیت کرنے کی پاداش میں نہ صرف پولیس کے ہاتھوں زدوکوب کرایا بلکہ انھیں مدّتوں قید
ں رکھ کر انہیں اذیت ناک سزا دلائی)

سینٹرل جیل میں جب محمد شفیع کے ۱۸ بید لگانے کی اطلاع لوگوں تک پہنچ گئی تو خانقاہ معلیٰ میں
الدین نقاش نے حکومت کی اس حرکت پر انھیں لعنت ملامت کی اور اس ظالمانہ حرکت پر عوام
ے احتجاج اور دوکانداروں سے ہڑتال کرنے کی اپیل کی۔ محی الدین نقاش کو موقع پر ہی گرفتار کر لیا
البتہ ان کی اپیل پر شہر میں ساری دوکانیں بند ہو گئیں۔ صرف پنڈت دوکانداروں اور مولوی
ف شاہ کے حامی دوکانداروں نے ہڑتال میں حصّہ نہیں لیا، خواتین نے سیاہ جھنڈے
کر جلوس نکالا۔

بخشی غلام محمد نے مائیسمہ میں تقریر کے دوران فرمایا:۔

"میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے ہیں، میں گرفتار ہو رہا ہوں لیکن تحریک زندہ رکھنا تمہارے ذمّے ہے۔"

بخشی صاحب کی تحریک کو زندہ رکھنے کی اپیل پر خانقاشوں نے علم شریف اٹھا کر ایک بڑا جلوس نکالا خواجہ سلام شاہ نے ان خانقاشوں کو ایسا کرنے سے منع کیا، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی وہ علم شریف لے کر جلوس کی صورت میں فتحکدل پہنچ گئے۔

اسی روز شام کے قریب بخشی غلام محمد خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر پھر نمودار ہوگئے۔ انھوں نے اجتماع کے سامنے پلوامہ میں لوگوں پر کیے گئے جور و ظلم کی داستان سنائی اور کہا۔

"بلّہ کاک در روز بروز وزارت نے سری کنٹھ پنڈت تحصیلدار پلوامہ کے ذریعہ مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھنے سے روک دیا ہے، مسلمانوں نے عیدگاہ میں نماز جمعہ پڑھنے کا عزم کیا تو پہلے ان پر لاٹھی چارج کیا گیا پھر گولی چلائی گئی جس سے کئی مسلمان شہید اور درجن کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ اس طرح سوپور اور ہندوارہ میں بھی ڈوگرہ فوجوں نے گولی چلائی، سوپور میں چار مسلمان اور ہندوارہ میں دس مسلمان شہید ہوگئے ہیں اسلام آباد سے ۳۴ مسلمانوں کو گرفتار کر کے سرینگر لایا گیا ہے۔"

بخشی صاحب کے ان انکشافات سے لوگ مشتعل ہوگئے دنگا فساد شروع ہوتے ہی فوج نے شہر کو گھیر لیا۔ میر غلام حسن گیلانی عرف میر کلو نے جوش میں آکر بڑی تند و تیز تقریر کر ڈالی البتہ انھوں نے لوگوں کو تشدد سے پرہیز کرنے کی تاکید کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"اپنے مطالبات منوانے کے لیے جدوجہد جاری رکھو، لیکن جلاوطنوں اور قیدیوں کی رہائی کا ہرگز مطالبہ نہ کرو۔"

میر کلو کی تقریر جاری تھی کہ بخشی غلام محمد نے پھر اسٹیج پر آکر فرمایا:

"لوگو! میں گرفتار ہو رہا ہوں لیکن آپ لوگ میرے پیچھے نہ آئیں بلکہ جلسہ کے اختتام پر پُرامن طور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ ہاں، جمعرات کے روز "کشمیر ڈے" اس طرح مناؤ کہ کوئی بھی فرد اپنے گھروں سے باہر نہ نکلے۔"

بخشی غلام محمد کو گرفتار کر کے جلاوطن کیا گیا۔ شہر میں شورش دبانے کے لیے والنٹیروں کی شیرگڑھی کے پاس کینگ کی گئی۔ احمد والی بوجھوارہ، عمر اوخان اور غلام محی الدین بیہقی حراست

لے کر پھر چھوڑ دیئے گئے۔

شہر میں دفعہ ۱۴۴ جو پہلے ہی نافذ تھی اس کا مکرّر اعلان کیا گیا۔ رات کو چھتوں پر نعرے کی پاداش میں ۳۵ کے قریب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔

دفعہ ۱۴۴ کے خلاف خانقاہِ معلیٰ میں جلسہ بلایا گیا۔

پیر افضل مخدومی، عبدالغنی ترالی، محی الدین رہبر اور شیر گاندربلی نے تقریریں کیں۔ اختتام پر محمد سبحان بٹ (ڈائمنڈ موٹرس) نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا ان کے ساتھ چھ آدمی گرفتار ہوئے وہ کفن پہن کر آئے تھے۔

جمعہ کے روز پلوامہ میں مؤذن کو ذاتی عناد کی بنا پر محمد ملک ذیلدار نے گرفتار کروایا تو لوگ مشتعل ہوگئے، انھوں نے محمد ملک کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ جاں بحق ہوگیا۔ پولیس فوراً جائے واردات پر پہنچ گئی، پہلے مظاہرین پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ پھر گولیاں چلیں، ۲۸ آدمی موقع پر ہی ڈھیر ہوگئے۔

سرینگر میں اگلے روز کنہ کدل کا نوجوان لڑکا اسداللہ ڈکٹیٹر بن کر نمودار ہوا اور حکومت کے خلاف نعرے لگا کر گرفتار ہوگیا۔ گرفتاری سے قبل اس لڑکے نے اجتماع کے سامنے پلوامہ کے حالات سنائے اس کے ہمراہ پلوامہ کا ایک شخص بھی تھا جس کے کندھے پر گولی لگی تھی اس شخص نے اپنے خون سے لت پت کپڑوں کی نمائش کی جس سے مجمع سخت مشتعل ہوگیا۔

اسداللہ کے دیکھا دیکھی احمد سعید قریشی سامنے آیا اس نے ایک پُرجوش تقریر کر ڈالی اور بجبہاڑہ کے الم دید حالات بیان کر دیئے۔ جہاں تین آدمی شہید ہوئے تھے۔ بجبہاڑہ کے ان واقعات نے اسلام آباد میں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ لوگ اسلام آباد چوک میں جمع ہوگئے تو ملٹری کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہوگئی تھی۔ یہاں مشتعل ہجوم نے ملٹری سے چھ بندوقیں چھین لی تھیں۔ فائرنگ سے چار آدمی شہید اور گیارہ افراد زخمی ہوئے تھے۔

سول نافرمانی کی اس تحریک میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا، بعض ڈکٹیٹروں کو گرفتار کر کے کینگ کر کے چھوڑ دیا جاتا، جن میں بیشتر دوبارہ سٹیج پر آکر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے تھے میں جان ڈالنے کے لیے لوگوں میں ایک جنون پیدا ہوگیا تھا۔

ایک نومسلم شیخ محی الدین جب اسٹیج پر آیا اور قبولِ اسلام کے بعد اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے کر گیا تو نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے سارا ماحول گونج اٹھا۔

خانقاہ معلیٰ کے سٹیج سے باہر ایک شیعہ نوجوان احمد علی خطائی نے ڈوگرہ حکومت کو للکارا تو انھیں پکڑ کر ایک درجن کین لگائے گئے ہر کین کے ساتھ وہ یا علی مدد پکارتے رہے۔ احمد علی کی حالت دیکھ کر حکیم قاسم علی شہیلی ٹینگ نے اسٹیج سنبھال کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ اگلے روز کوئی بارہ ڈکٹیٹروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، ان کے نام محمد رجب چنگال ینگ عبداللہ، حکیم غلام قادر، محی الدین گیلانی، عبدالعزیز دمہ کلاشپورہ، عبدالحق، عبدالعزیز پانڈو، راجہ غلام محمد، حبیب اللہ بزرلہ، خواجہ محمد شعبان اسداللہ خانیاری ہیں۔ ان میں سائیس محمد دین گاؤکدل کو ان کی صحت کی بنا پر کین لگانے سے پرہیز کیا گیا لیکن انھوں نے نعرے لگا کر سپاہی کو کین لگانے کی دعوت دی۔

دوسرے روز جمعہ کو غلام محمد گلکار جنہیں گرفتار کر کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اجتماع کے سامنے اعلان کیا آج جہاد کا اعلان ہونے والا تھا لیکن مجھے ابھی ابھی وار کونسل سے اطلاع ملی کہ فی الحال جہاد کا پروگرام ملتوی کیا گیا ہے۔ لہٰذا سُرخ جھنڈے اتار کر سیاہ جھنڈے لہراؤ۔

غلام محمد گلکار کے ساتھ، غلام نبی امیرا کدل، محمد احسن قاصد، راجہ غلام محمد ساکن، غلام مصطفیٰ، عبدالغفار لچہ، محمد سلطان، عبدالغفار بٹ اور غلام حسن مخدومی گرفتار کر لیے گئے۔

سرینگر کے ساتھ دیگر قصبات اور بیرونِ شہر بھی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سلسلے میں وار کونسل کو جو اطلاع ملی اس میں ماسٹر زہرہ، محمد امین گورکو، پیر قلندر شاہ، سید حسام الدین گیلانی، غازی عبدالرحمان خطیب، لطیف قریشی، نصراللہ خاں، غلام حیدر خاں، پیر مبارک شاہ، غلام رسول کشتواڑی، غلام محمد بانڈے، غلام قادر بانڈے، علی محمد تارا، عبدالغنی ملک، غلام قادر مصالحہ، عبدالکبیر خان، عبدالغفار وازہ، عبدالرحمٰن بھورا، ماسٹر غلام محمد اور غلام رسول کار قابلِ ذکر ہیں۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر گرفتاریوں کے سلسلے میں ایک ایک کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے والوں میں امیر الدین خانیار، عبدالعزیز دمہ حاجی محمد شعبان، حکیم غلام قادر، نور محمد ریکسیلر، عبدالحق گرٹہ بلی، صدرالدین ژھو کلاشپورہ، عبدالعزیز خاں دوزر شامل تھے۔ ان کے بعد دوسرے روز گرفتاری کے لیے پیش کرنے والے ڈکٹیٹروں میں، عبدالغفار، شیر علی، صدرالدین شال، منشی غلام محمد، عبدالسلام پارمو، حکیم عبدالاحد، غلام الدین بانڈے، محمد یاسین اور غلام وٹالی شامل تھے۔

اس سلسلے کے اگلے پڑاؤ میں جن لوگوں نے ڈنکا گرہ راج کو للکار کر اپنے آپ کو گرفتار کروایا ان میں غلام حسن انقلابی، شیخ غلام محمد، سعید محی الدین اندرابی، غلام نبی رفیقی، محمد مقبول شاہ [illegible]

[illegible] الخالق رہنیرو، حاجی عبدالعزیز، عبدالغنی بٹ اور غلام محمد خان فلچہ، عبدالقادر وازہ، محمد مقبول [illegible] گرو، منشی غلام رسول خاں، سید غلام شاہ چناری مفتی قوام الدین، مختار احمد وغیرہ۔

سرینگر میں امیرا کدل کے پاس ایک جوان عبدالغفار حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے [illegible] فتار کر لیا گیا۔ لیکن یہ جوان سُلہ غلہ دار کی مدد سے پولیس کی گرفت سے بھاگ گیا۔ پولیس نے سُلہ غلہ دار [illegible] گرفتار کر کے اس کی کینگ کی، اگلے روز عبدالغفار پھر اسٹیج پر نمودار ہوا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے [illegible] لیے پیش کیا، گرفتاری سے قبل اسے ۱۸ کین لگائے گئے۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر ناؤ پورہ کے علی محمد نامی شخص گرفتاری دینے کی تیاری کر رہا تھا کہ [illegible] امیر الدین سکنہ گوجوارہ اسٹیج پر آیا اور بجبہاڑہ کے ایک شہید کے خونی کپڑے لہرا کر گریہ وزاری [illegible] نے لگا۔

ان کی حالت اور خونی کپڑے دیکھ کر عورتیں زار زار رونے لگیں۔

خانقاہ نقشبند صاحب پر عورتوں کا ایک جلسہ ہوا، جلسے کے اختتام پر ڈکٹیٹر غلام رسول [illegible] ساتھ غلام محی الدین رہبر ایڈیٹر "صداقت" محمد یحییٰ رفیقی، غلام محمد بٹ اور محمد امین گرفتار [illegible] لیے گئے۔ جب پولیس ان کو اپنے ساتھ لے گئی تو درگجن کے مامہ دین نے سٹیج سنبھال کر اپنے [illegible] کو گرفتاری کے لیے پیش کیا، مامہ دین کے بعد ڈکٹیٹر عبدالرشید بخشی سٹیج پر آیا اور حکومت [illegible] خلاف زہر افشانی کرنے کے بعد گرفتار ہوا۔

گرفتاریوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ مولوی احمداللہ ہمدانی کو گرفتار کر کے جلاوطن کیے جانے [illegible] سنایا گیا۔ ان کے بارے میں یہ حکم جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ خانقاہِ معلیٰ کا اسٹیج حکومت [illegible] خلاف گرجنے لگا۔ غلام احمد گنائی، عبداللہ بٹ اور عبدالغنی مکرو گرفتار ہوئے۔

محمد مقبول حکاک، عبدالغفار، محمد خان وازہ، اقبال چاپری اور ایک کم سن لڑکا غلام [illegible] حکومت کے خلاف نعرے دیتے ہوئے گرفتاری کے لیے پیش ہوئے۔

شہر سرینگر کے ساتھ ساتھ قصبہ جات اور دیہات میں شورش جاری تھی، اسلام آباد، [illegible] ڑ، بارہمولہ اور ہندوارہ میں تشدد آمیز مظاہرے ہوئے، ان مظاہروں کے دوران کئی [illegible] مارے گئے جن کی تعداد حکومت نے بیس بتائی لیکن ان کی لاشیں متعلقین کو نہیں [illegible] ئیں، ان لاشوں کو حاصل کرنے کے لیے مظاہرے کرنے کی پاداش میں غلام نبی گلکار [illegible] عبدالغنی پلوامی کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں ایک ایک ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی۔

خانقاہ معلیٰ کے سٹیج پر مائیسہ کا غلام محمد گلکار، برزلہ کا حبیب اللہ زرگر دباغ محلہ کا پیرزادہ غلام حسن خانیار، کا اسد اللہ ایک ایک کر کے اسٹیج پر آئے۔ اور حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔

غلام حسن دباغ محلہ کو گرفتاری کے دوران ۱۸ بید لگائے گئے۔ جس سے وہ بیہوش ہو گیا اسکے مرنے کی خبر پھیل گئی تو لوگ شیر گڑھی کے باہر جمع ہو گئے، عبدالغنی ترالی، غلام محمد چکن، شیخ عبدالصمد میر مقبول، علی محمد، اور غلام احمد قمرہ نے شیر گڑھی کے باہر دھرنا لگایا۔

ملٹری اور پولیس نے ہجوم پر لاٹھی چارج کیا، خواتین سڑک پر لیٹ گئیں اسی دوران سلہ غلہ دار ہاتھ میں سرخ کپڑا لیے اور اسے لہراتے ہوئے آیا۔ چند پولیس جوانوں نے اس پر گھیرا ڈال کر ڈنڈے برسائے، سلہ غلہ دار ڈنڈے کھاتا رہا اور جہاد پکارتا رہا۔ اگلے روز نعلبند پورہ کے عبدالرزاق کے ساتھ چھ اور ڈکٹیٹر گرفتاری کے لیے پیش ہوئے ان میں ایک کم سن لڑکا بھی تھا جسے بعد میں رہا کیا گیا۔

مزار شہداء پر خواتین کے جلسہ کا اعلان کرایا گیا تو مختلف اطراف سے خواتین آ کر یہاں جمع ہونے لگیں۔ مزار شہداء کے گیٹ پر ان خواتین کو مجسٹریٹ عبدالغنی فاضلی نے رُکوا دیا۔ خواتین اندر جانے کے لیے بضد رہیں انہیں چار چار کے گروپ میں اندر جانے دیا گیا۔

ان عورتوں کے اجتماع میں غلام محی الدین قمرہ محمد یوسف قریشی، کے، ایچ خورشید جو طالب علم تھے کوئی دو گھنٹے تک پُرجوش تقریریں کیں۔ اور اس کے بعد یہ جلوس کی صورت میں خانقاہ معلیٰ گئے۔ یہاں بھی انھوں نے تقریریں کیں۔ کے، ایچ خورشید کے بارے میں کوئی پتہ نہ چلا البتہ غلام محی الدین قمرہ اور محمد یوسف قریشی کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ کنارے پر ان کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے، کیونکہ پولیس ان کو پکڑنے کے لیے آگن بوٹ میں ان کا پیچھا کر رہی تھی۔

دوسرے روز غفار چاپری جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ چھوڑ دیئے گئے تھے دوبارہ پانچ ڈکٹیٹروں کے ہمراہ گرفتاری کے لیے پیش ہوئے، ان کے ہمراہ گرفتار ہونے والے سبھی افراد ہائی تھے۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر ہر روز پانچ سے دس ڈکٹیٹر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے رہے۔ بیشتر والنٹروں کو حکومت گرفتار کر کے چھوڑ دیتی تھی۔ البتہ جن کے بارے میں سخت قسم

کی تقریر کرنے کا الزام ہوتا انہیں نہ صرف قید و جرمانہ کی سزا دی جاتی بلکہ ان پر بید بھی لگائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ عبدالغفار اور محمد سلطان نے حکومت کے خلاف تقریریں کیں اور گرفتاری کے لیے پیش ہونے سے قبل انھوں نے اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"کل، ۹ مارچ کو یوراج کے جنم دن پر چراغاں ضرور کرنا اور مہاراجہ ہری سنگھ کو مبارکبادی کے پیغامات بھی بھیجدینا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم بھی لکھدینا۔

۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو "کشمیر ڈے" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس دن کے لیے اعلان کیا گیا کہ شہر اور قصبات میں نصف دن تک دوکانیں بند رہیں گی۔ اور ۱۲ بجے دن کے بعد لوگ مزار شہداء پر جمع ہوں گے، یہاں سے شام کے چار بجے مردوں اور خواتین کے دو علیحدہ علیحدہ جلوس خانقاہ معلیٰ کی طرف روانہ ہوں گے۔

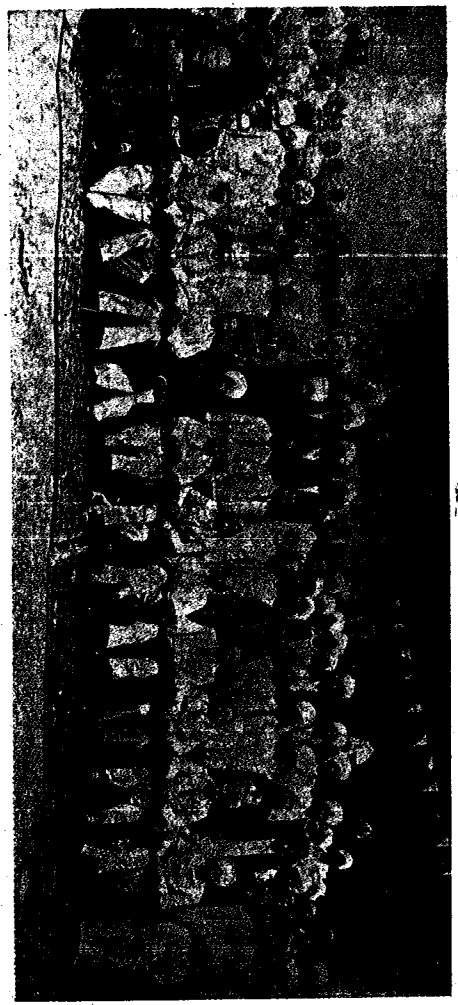
حسب پروگرام جب ایک کے بعد دوسرا جلوس خانقاہ معلیٰ پہنچ گیا۔ توچالٹہ کا مبارک شاہ اور محمد عثمان کا بیٹا گرفتار کیا گیا۔ یہ دونوں جلوس میں مہاراجہ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو خانقاہ معلیٰ میں ایک بہت بڑا عوامی اجتماع ہوا، عید کی آمد کے پیش نظر سول نافرمانی کی تحریک کو فی الحال بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

عید سے چند روز قبل غازی محمد یوسف بانڈی پورہ نے اپنی تقریر میں لوگوں کے اجتماع سے کہا:

"میں وہ والنٹر ہوں جس نے افغانستان میں بچہ سقہ کے ٹکڑے کر دیئے، اب میں یہاں آیا ہوں میں ڈوگرہ راج کو ختم کر کے ہی دم لوں گا — آؤ میرے ساتھ جیل چلو۔"

لوگ بے قابو ہو گئے، ایک افراتفری مچ گئی، پولیس حرکت میں آ گئی تو بے قابو ہجوم کو منتشر کیا گیا۔ اسٹیج سے سول نافرمانی کی تحریک کو ملتوی کیے جانے کا اعلان کیا گیا۔

سول نافرمانی کی تحریک مئی ۱۹۳۳ء میں شروع ہوئی جو مارچ ۱۹۳۴ء تک برابر جاری رہی، اس تحریک کے دوران شہر اور قصبہ جات میں ۱۷۴۳ لوگ گرفتار ہوئے۔ ۳۸۴ اشخاص کو بیدزنی کی سزا دی گئی، ان میں ۲۶۸ اشخاص چالیس سال کی عمر تک کے تھے، ۴۰ سے کم عمر کے ۴۵ اور ۱۱ طالب علم بھی تھے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں سے جو جرمانہ بطور سزا وصول کیا گیا۔ -/۱۳۴۱۱ روپے ہے۔ اس کے علاوہ تعزیری ٹیکس کے ذریعے -/۴۶۳۶۲ روپے مسلمانوں سے حاصل کیے گئے۔



۱۹۳۵ء میں زڈی بل سرینگر میں محلہ جناح کے ساتھ ایک ایکڑ کا رقبہ

فکرِ منزل ہے نہ ہوش جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے

سُبحان حجّام کی بلیغار

ڈوگرہ دورِ حکومت میں کشمیر افلاس، غربت، قحط سالی اور ظلم و تشدد کے نتیجے میں سخت عذاب میں مبتلا تھا۔ مردوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ طرح طرح کے جور و ظلم سے کام لے کر ان کی زندگی اجیرن کر دی گئی تھی۔ ڈوگرہ حکومت کی زیادہ المناک اور روح فرسا حرکت کشمیری لڑکیوں اور جوان عورتوں کی خرید و فروخت کا واقعہ تھا۔ اس خرید و فروخت پر کئی یورپین سیّاحوں نے جنہوں نے ان ایام میں وادیٔ کشمیر کا دورہ کیا اپنے سفرناموں، کتابوں اور پمفلٹوں میں نامناسب اور ناجائز تجارت کی نشاندہی کی ہے اور اسے انسانی زندگی کی خرید و فروخت کا ایک اندوہناک واقعہ قرار دیا ہے۔

ڈوگرہ عہدِ حکومت میں انسانی زندگی، گوشت و پوست کی خرید و فروخت کا یہ سلسلہ مدتوں رہا۔ غربت اور افلاس کے نتیجہ میں والدین اپنی بچّیوں کو کنجروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے تھے۔ کنجر اور ان کے ایجنٹ دیہاتوں میں جا کر بہلا پھسلا کر ان بچّیوں کو افلاس زدہ دیہاتیوں سے فرضی نکاح یا روپے دے کر خرید لیتے تھے۔ اور انہیں ریاست سے باہر کلکتہ، لکھنؤ، بمبئی، لاہور، راولپنڈی کے بازارِ حسن میں بٹھا دیتے تھے۔

ان بازاروں میں دخترانِ کشمیر کو رنگ اور حُسن کی وجہ سے بڑی قیمت اور مقبولیت ملتی تھی، جس کی وجہ سے کنجر اور ان کے ایجنٹ سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں دخترانِ کشمیر کو لے جا کر ان بازاروں کی نذر کر دی جاتی تھیں۔

باہر کی منڈیوں میں بیچنے کے ساتھ ساتھ سرینگر کے دو نامور قحبہ خانے جن میں ایک گاؤکدل اور دوسرا تاشواں میں تھا دخترانِ کشمیر شب و روز عیش پسندوں کے لیے کھلے رہتے تھے۔ یہ دو قحبہ خانے جنسی بے راہ روی کے مراکز کے لیے مشہور تھے۔ ان قحبہ خانوں سے بھی کشمیری مال دوسری منڈیوں میں سپلائی ہو جاتا تھا۔

دخترانِ کشمیر کی اس بے راہ روی کے خلاف سب سے پہلے اپریل ۱۹۳۴ء میں مولانا عبداللہ وکیل نے احتجاج کیا اور کنجر خانوں کو بند کرنے کا فتویٰ دیا۔ انھوں نے اسمبلی میں کنجر خانوں کو بند کرنے کا سجھاؤ دیا۔

۱۹۳۵ء میں سبحان حجام نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ سبحان حجام کی امیرا کدل میں پلیڈیم سینما کے پاس دوکان تھی۔ ان قحبہ خانوں کو بند کرانے کے لیے سبحان حجام نے سب سے پہلے شیخ محمد عبداللہ سے رابطہ قائم کیا کیونکہ ان دنوں سارے کشمیر میں آن کا ڈنکا بج رہا تھا اور وہ اس بدکاری کو بند کرانے میں مؤثر ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن اس کارِ نیک میں شیخ صاحب کی عدم دل چسپی نے سبحان حجام کو مایوس کر دیا۔ لیکن کئی لوگوں نے جوان کی دوکان پر حجامت کرنے کے لیے آتے تھے ان کا حوصلہ بڑھایا اور اس کام میں ان کا ساتھ دینا شروع کیا چنانچہ سبحان حجّام نے ان قحبہ خانوں کو بند کرانے کی تحریک شروع کی، کنجروں نے سبحان حجام کی اس تحریک کا توڑ کرنے کے لیے روپے اور اثر و رسوخ کا استعمال کر کے اسے کئی فوجداری مقدموں میں پھنسایا اور اس کی زندگی اجیرن بنا دی، سبحان حجام پھر شیخ محمد عبداللہ سے ملا تاکہ وہ اس میں مداخلت کر سکیں، لیکن انھوں نے اس معاملے میں الجھنے سے صاف انکار کیا۔ اس کے بعد سبحان حجّام نے مسٹر ٹنڈل بسکو کو یہ ساری روداد سنائی۔ سبحان حجّام ٹنڈل بسکو کی حجامت کرتے تھے۔ بسکو صاحب نے سبحان حجّام کی اِس کارِ نیک میں پوری مدد اور مقدمات میں پیروی کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

بسکو صاحب کی جہاں اہلِ کشمیر پر تعلیمی خدمات کو کشمیری عوام کبھی نہیں بھول سکتے وہاں دخترانِ کشمیر کی خرید و فروخت کا دھندا رُکوانے میں ان کے رول کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ہندوستان میں دخترانِ کشمیر کو بازارِ حُسن کی زینت بنانے کا سلسلہ معدوم ہونا تھا۔ اس کا سہرا ٹنڈل بسکو اس کی مسز اور سبحان حجّام کو جاتا ہے، ان تینوں نے جس اسپرٹ سے یہ کام کیا وہ تاریخ کشمیر میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

قحبہ خانوں اور دخترانِ کشمیر کی خرید و فروخت کے دھندے میں مُلوّث افراد کے خلاف تحریک میں سبحان حجّام کو آگے رکھ کر بسکو صاحب نے کشمیریوں میں احساس بیداری پیدا کرنے کے لیے پوسٹر اور پمفلٹ چھپوانے اور والنٹیروں سے قحبہ خانوں پر پکٹنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔

بسکو صاحب اور سبحان حجّام کی اس تحریک نے مسلم کانفرنس کے بعض لیڈروں کے ہوش ٹھکانے لائے اور وہ اس تحریک کے لیے دامے درمے اور سخنے ہمنوائی کرنے لگے۔ ان احباب کی طرف سے مہاراجہ ہری سنگھ کو میمورنڈم پر میمورنڈم تار اور خطوط روانہ کیے گئے۔ اس طرح یہ

تحریک شہروں کے بعد قصبوں میں بھی پھیل گئی۔

پکٹنگ میں قحبہ خانوں کے سامنے ڈوگرہ پولیس نے نقص امن کے تحت گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا — کہتے ہیں جب قدرت کو جلال آتا ہے تو اس کے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیڈی ڈاکٹر فریڈم جو ریاست میں زنانہ ہسپتال کی سپرنٹنڈنٹ تھیں وہ ریاست میں آٹھ سال ملازمت اور ان عورتوں کے علاج میں جو ہندوستان کے مختلف قحبہ خانوں سے بھاگ کر واپس اپنے وطن آئی تھیں ان کے امراض خبیثہ اور ان کی بیکسی سے متاثر ہوئی تھیں، شومیِ قسمت سے یہ جنیوا میں لیگ آف نیشن کی سکریٹری بنی۔

جب انسانی خرید و فروخت اور غلام رکھنے کے مسئلے پر لیگ آف نیشن میں بحث ہو رہی تھی تو لیڈی فریڈیم نے کشمیر میں عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں برطانوی حکومت پر الزام لگایا کہ تاج برطانیہ کے تحت ہندوستان میں ایک ریاست میں عورتوں اور لڑکیوں کی خرید و فروخت اب بھی ہو رہی ہے اور وہ عورتیں برٹش انڈیا کے بازارِ حسن کی زینت بنا دی جاتی ہیں جس وجہ سے ان عورتوں میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعض حالات میں ان کا علاج انسانی بس سے باہر ہو جاتا ہے اور انسانی خرید و فروخت انگریزی حکومت جو عیسائیت پر یقین رکھتی ہے اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ریاست اور تاجِ برطانیہ کا قانون اس ناجائز تجارت کے مدارک کے لیے سرے سے موجود نہیں ہے۔

اس چونکا دینے والے بیان پر لیگ آف نیشن کے چیرمین نے حکومت برطانیہ سے سوال کیا اور وضاحت طلب کی۔

تاج برطانیہ نے بذریعہ سکریٹری فارسٹیٹ وائسرائے سے جواب طلبی کی، وائسرائے ہند نے مہاراجہ ہری سنگھ سے جب وضاحت طلب کی کہ وہ اس انسانی تجارت کے بارے میں رپورٹ دیں تو یہ معاملہ ریاستی کونسل میں پیش ہوا۔ فوری طور پر انسپکٹر آف پولیس جن میں ایک شیخ عبدالکریم اور دوسرا جیالال درباری تھا، انہیں کلکتہ، بمبئی، دہلی، لکھنؤ، راولپنڈی لاہور وغیرہ شہروں کے لیے روانہ کیا گیا، تاکہ بازارِ حسن میں دخترانِ کشمیر برآمد کر کے واپس ریاست میں لائیں، چنانچہ ان ریاستوں اور صوبوں کی پولیس کی مدد سے بازارِ حسن سے بیشتر عورتیں واپس لانے میں یہ آفیسر کامیاب ہوئے۔

ریاست میں عورتوں کی خرید و فروخت تعزیری جرم قرار دیکر ریاستی حکومت نے گزرگاہوں پر

جو برٹش حدود کو جاتی تھیں مستقلاً پولیس اسٹیشن قائم کر دیں۔ سرینگر کے دونوں قحبہ خانوں کو ہمیشہ کے لیے تعزیری جرم کے تحت بند کر دیا گیا۔ دخترانِ کشمیر کی خرید و فروخت اور ملک کے بازارِ حسن میں ان کے پیشے کے بارے میں پولیس انسپکٹر شیخ عبدالکریم نے اپنی رپورٹ حکومت کو ایک کتابچہ کی صورت میں پیش کی اس کا نام انھوں نے (IMMORALE TRAFIC IN WOMEN) رکھا ہے۔ اس رپورٹ میں انھوں نے صاف طور پر شیخ محمد عبداللہ پر نہ صرف کنجروں سے چندہ وصول کرنے کا الزام لگایا بلکہ دوسری نوعیت کے الزامات بھی لگائے ہیں۔ یاد رہے کہ شیخ عبدالکریم وہ پولیس انسپکٹر تھا جو اے، ایس، پی حکیم حبیب اللہ کا دست راست تھا، یہ دونوں پولیس آفیسر "تحریک حُرّیتِ کشمیر" میں شیخ محمد عبداللہ اور دیگر مسلم رہنماؤں کو حکومت کے راز پہنچاتے تھے۔ تحریک کے بارے میں حکومت جو بھی کارروائی کرنا چاہتی اس کی پیشگی اطلاع مسلم رہنماؤں کو یہی دو آفیسر پہنچاتے تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے جب مسلم کانفرنس کی سائیکلو سٹائل پریس مشین پکڑنے کے لیے ۱۱ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا تو ان دونوں پولیس آفیسروں نے منشی نصیرالدین اور مولوی عبدالرحیم بانی ریڈنگ روم سے سائیکلو سٹائل مشین پیش کرنے کو کہا تاکہ حکومت سے انعام میں ملنے والے ۱۱ ہزار روپے وہ تحریک کو دے سکیں، اور چند سو روپے کے خرچے سے دوسری مشین خریدی جا سکے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور گیارہ ہزار انعام کے روپے "تحریکِ حریت" کے فنڈ میں دیئے۔


سجان حجام

مہاراجہ ہری سنگھ نے جب انسپکٹر شیخ عبدالکریم کی رپورٹ پڑھ لی تو ایک میٹنگ بلائی۔ جس میں حکومت کے بعض ارکان کے ساتھ معززینِ شہر کو بھی مدعو کیا گیا۔

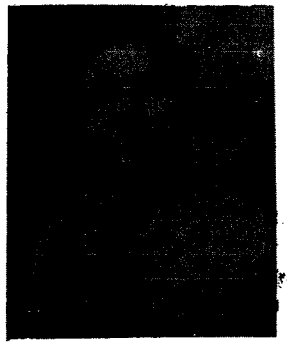
اِن معززینِ شہر میں میرواعظ احمد اللہ ہمدانی، سعدالدین شال، آغا سید حسین، خواجہ غلام محی الدین، جعفر خاں، سیّد حسین شاہ جلالی اور محی الدین کاؤسہ شامل تھے۔

اور بھی بہت سے معززینِ شہر مدعو کیے گئے تھے جو بعض وجوہات کی بنا پر حاضرِ دربار نہیں ہو سکے۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے اِن اصحاب کے ساتھ عورتوں کی خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ بے کاری، بے روزگاری اور دوسرے اہم مسائل پر حاضرین کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا اور حاضرینِ دربار کی رائے کے ساتھ اتفاق کر کے ان کے تدارک کا یقین دلایا۔

اِس میٹنگ کے بعد سجان حجّام نے اپنی دوکان پر چراغاں کیا۔ اور انھوں نے راہ چلنے والوں میں اپنی طرف سے مٹھائی تقسیم کی۔

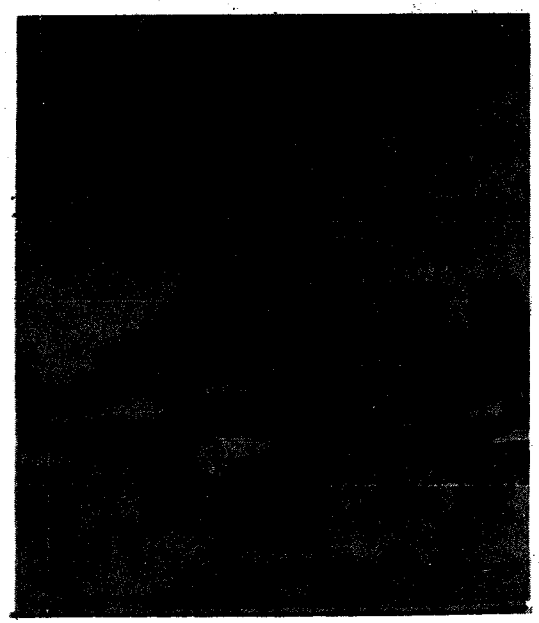

اے، ایس، پی حکیم حبیب اللہ


انسپکٹر شیخ عبدالکریم

تحریکِ حُرّیت کے دو اہم مراکز



درگاہ حضرت بل



خانقاہِ معلّیٰ

بَاب ۵

مُسلِم کانفرنس کا جنم
اور
اُس کی موت کا آغاز

ڈگمگاتے ہیں قدم راہِ وفا میں بار بار
یاد ہے پیماں شکنی شرم دامن گیر ہے

جُز :

صفحہ

۱۔ مسلم کانفرنس کا ایک اہم اجلاس ——— ۲۴۹

۲۔ مسلم کانفرنس کی عمارت میں شگاف ——— ۲۵۹

۳۔ تحریکِ حُریّت پر فتنہ فساد اور غبن کے سائے ——— ۲۶۵

۴۔ اسمبلی کے لیے انتخابات ——— ۲۸۹

۵۔ مسلم کانفرنس کی عمارت گرانے کی شروعات ——— ۲۹۵

۶۔ شیخ محمد عبداللہ کا ڈکٹیٹرانہ طرزِ عمل اور تنظیم پر اس کے اثرات ۔ ۳۰۹

۷۔ مسلم کانفرنس جانکنی کی حالت میں ——— ۳۱۷

۸۔ مسلم کانفرنس کی آخری رسومات اور نیشنل کانفرنس کا جنم ——— ۳۳۳

دل کی باتیں دوسروں سے مت کہو لٹ جاؤ گے
آج کل اظہار کے دھندے میں ہے گھاٹا بہت

مسلم کانفرنس کا ایک اہم اجلاس

تمام مسلم رہنماؤں کو ایک مالا میں پرونے کے خاص طور پر مولوی یوسف شاہ اور شیخ عبداللہ کا ملاپ کے لیے پھر دوڑ دھوپ شروع کی گئی، چنانچہ اللہ رکھا ساغر، چودھری عباس خاں، گوہر رحمان، مستری یعقوب علی کے ساتھ غلام احمد قمرہ، غلام نبی گلکار اور مولوی عبدالرحیم ان دونوں لیڈروں کو ملانے میں کامیاب ہو گئے، غلام احمد قمرہ کی بیٹھک میں ان سبھی رہنماؤں نے پچھلی ساری رنجشیں، کدورتیں اور ناراضگیاں بھلا جانے اور آئندہ ایک ساتھ چلنے کا عہد کیا اور جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی ایک تنظیم بنانے کا فیصلہ لیا گیا۔

جون ۱۹۳۲ء کے آخری ہفتے میں شیخ عبداللہ لاہور گئے اور وہاں عبدالرحیم درد سے موٹر کی سواری کرائی اور اس کے بعد وہ مرزا بشیرالدین محمود سے ملے۔ مرزا صاحب سے انھوں نے پولیٹیکل کانفرنس کے سلسلے میں مدد کی اپیل کی۔ سرینگر واپس آنے کے دوران انہوں نے مرزا صاحب کو ایک خط لکھا۔

۸ر جولائی ۱۹۳۲ء

S. M. ABDULLAH
M.SC (ALIG)

جناب حضرت میاں صاحب! دام اقبالہٗ!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں حضور کی نوازشات کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ آج میں لاہور ہوتے ہوئے جموں اور پھر کشمیر واپس جا رہا ہوں جیسا کہ میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ایک پولیٹیکل کانفرنس کشمیر میں بلوا رہا ہوں۔ اس کے بعد شملہ جانے کا خیال ہے، جیسا کہ حضور کو بھی معلوم ہے اگر حضور اگست کے دوسرے ہفتے میں کشمیر چند دن کے لیے تشریف لے آویں تو کانفرنس کے کامیاب بنانے میں ہمیں

باب کا حرف اوّل سبز ہلالی پرچم اور جماعت جس کا یہ منتخب نشان قرار پایا ہے اس کی حفاظت کرے اس کے زیرِ سایہ مہاراجہ جو ریاست کے تمام فرقوں کے درمیان محبت و آشتی کا پیامبر ہے اور اُن کے لیے یہ امن، خوش حالی اور فارغ البالی کا ضامن رہے، آج جس پرچم اور تنظیم کا ہم اپنے جوان اور بلند عزائم سے اس صحن پاک میں افتتاح کر رہے ہیں خدا تعالیٰ سے اس کی کامیابی اور کامرانی کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔"

کئی قراردوں کے بعد اجلاس برخاست ہوا تو چودھری غلام عباس خان، اللہ رکھا ساغر اور گوہر رحمان شیخ صاحب سے ملے اور ان سے اس رویے کے بارے میں شکایت کی جو رویہ انھوں نے جموں کے مسلم رہنماؤں کے تئیں اختیار کیا تھا۔ بجائے اس کے کہ ان کو اپنی دلیل سے مطمئن کیا جاتا ان سے کہا گیا:

"آپ جموں والے ہم کشمیریوں کو لاعلم اور بے شعور سمجھتے ہیں اسی لیے ہم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔"

جموں کا یہ وفد اپنا سا منہ لے کر اٹھ گیا، ابھی وہ آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں غور و خوض ہی کر رہے تھے کہ اسی دوران شیخ عبداللہ نے ایک عوامی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے جموں کے مسلم رہنماؤں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"..... ہم نے پچھلے دنوں یہاں مسلم کانفرنس کی داغ بیل ڈال دی، آپ نے دیکھا ہوگا کشمیر کے کونے کونے سے جو نمائندے شرکت کے لیے آئے تھے۔ وہ مولوی قسم کے لوگ تھے، جنہیں دُنیا کے کیف و کم کا کم ہی علم تھا اور جو سادہ لوح تھے۔ اس اجلاس میں جموں کے نمائندوں کا طور طریقہ مجھے قطعاً نہیں بھایا، میری رگِ حمیّت کو اس سے زبردست چوٹ لگی۔ یہ نہایت ہی رنج دہ مقام ہے کہ قربانیاں کشمیریوں نے دی ہیں، انھوں نے سرزمین کشمیر کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا ہے، انھوں نے مال و متاع کو وطن کی راہ میں لٹا دیا ہے، لیکن جموں کے سبکسارانِ ساحل ان ہی کو کوس رہے ہیں اور ان کا مذاق اڑا رہے ہیں.....[1]"

شیخ عبداللہ نے اپنی ایک گھنٹہ کی تقریر میں جھوٹ بول کر جموں کے مسلم رہنماؤں کے بارے میں غلط بیانیوں کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ وادی کے مُلّاؤں پر بھی کئی چوٹیں کیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس کے جسم پر اس کے جسم میں انھوں نے جو زہر بھر دیا، وہ زہر آہستہ آہستہ اس کے سارے

جسم میں سرائیت کر گیا۔

بات اتنی سی تھی کہ جموں والے مسلم کانفرنس میں وادی کی ساٹھ فیصد کے مقابلے میں اپنی چالیس فیصد نمائندگی مانگ رہے تھے۔ شیخ صاحب نے دینے سے انکار کیا، بات آئی اور گئی لیکن ان پر جو الزامات لگائے گئے وہ سراسر بے بنیاد تھے، وادیٔ کشمیر کے مُلّاؤں نے اگر اجلاس میں شرکت کی تو کونسا گناہ کیا۔ ان کی پھبتیاں کس کر جو طنزیہ تیر برسائے گئے، اس کا ان کے پاس کیا جواز تھا؟

مسلم کانفرنس کے قیام اور اس کا تاریخ ساز اجلاس جو بظاہر سبز زمین پر سفید ہلال اور تین تاروں پر مشتمل پرچم لہرا کر کامیابی کی بشارت دے رہا تھا۔ غیر مسلموں میں بُری طرح کھٹک گیا۔ اور انہوں نے شیخ صاحب کی اس تقریر جس میں انھوں نے جموں کے مسلم رہنماؤں اور وادی کے مُلّاؤں کو خوب رگڑا اس کا فائدہ اٹھا کر شیخ عبداللہ سے رابطہ قائم کیا، چنانچہ اس سلسلے میں چشمہ شاہی باغ میں پنڈت پریم ناتھ بزاز اور شیخ عبداللہ کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی، اسی گفتگو کے دوران نیشنلزم پر دونوں کے درمیان کھُل کر بات چیت ہوئی۔

مسلم کانفرنس کے جنم کا اگرچہ ڈوگرہ رجواڑوں نے بھی سنجیدہ نوٹس لیا، لیکن اس موقع پر انہوں نے مصلحت سے کام لے کر حالات کا جائزہ لینا شروع کیا البتہ انھوں نے "جموں کی قربانیاں اور کشمیر کی قربانیاں" موضوع بحث بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تاکہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں لیکن جموں کے رہنماؤں نے صبر و برداشت کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مسلم کانفرنس کا احیا نہ صرف جموں و کشمیر کے غیر مسلموں میں کانٹے کی طرح کھٹک گیا۔ بلکہ ہندوستان بھر کے کٹّر ہندو بھی اس تنظیم سے سیخ پا ہو گئے۔

پنڈت برادری نے کانگریس کے ساتھ رابطہ قایم کر کے اس مسلم رَو کو روکنے کے لیے اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ ہندوستان کے ہندو پریس نے ان کی حمایت میں ایک آواز بلند کی۔

شیخ عبداللہ نے ان ہنگاموں سے فرصت ملتے ہی احمدیہ فرقے کے امام کو خط لکھا:-

"سرینگر

S. M. ABDULLAH
M.S.C. (ALIG)

22 OCT 1932

جناب محترم میاں صاحب، دام اقبالہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

نہ میری زبان میں طاقت ہے نہ میرے قلم میں زور اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں

جن سے جناب کا اور جناب کے بھیجے ہوئے کارکن مولانا دردؔ، سید زین العابدین صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ یقیناً اس عظیم الشان کام کا بدلہ جو کہ آں جناب نے ایک بیکس اور مظلوم قوم کی بہتری کے لیے کیا ہے، صرف خدائے لایزال سے ہی مل سکتا ہے میری عاجزانہ دُعا ہے کہ خداوند کریم آنجناب کو زیادہ سے زیادہ طاقت دے تاکہ آنحضور کا وجودِ مسعود بے کسوں کے لیے سہارا ہو۔

شاید جناب عاجز سے ناراض ہوں کہ میں نے جناب کے ارشادات گرامی کے جواب دینے میں تساہل سے کام لیا۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً صریح گستاخی ہے مگر خدا کو حاضر و ناظر جان کر میں جناب سے عرض کیے دیتا ہوں کہ میری گوناگوں پریشانیوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا ایک طرف..... (مولوی یوسف شاہ) اس کی پارٹی، ایک طرف پنڈتوں اور مسلمانوں کا افسوس ناک فساد، مالی پریشانیاں، اپنوں سے بیگانگی کانفرنس کی تیاری وغیرہ وغیرہ، ان سب باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی شہادت جناب کے پاس زین العابدین صاحب دے سکتے ہیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مجھے کامل یقین ہے کہ جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور بزرگانہ کریمانہ صفات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے یقین کر لینا چاہیے کہ جناب کا تسلی بخش جواب باصواب میری پریشانیوں کو جلد از جلد رفع کر دے گا۔

حالات بالکل ٹھیک ہیں جناب دردؔ صاحب اور شاہ صاحب وغیرہ کام میں مصروف ہیں۔ جو لوگ قومی کام میں مخل ہونا چاہتے ہیں اللہ میاں نے انہیں کافی سزا دی ہے۔ الحمدللہ دردؔ صاحب سے موٹر کا روپیہ بھی وصول ہو چکا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔

کانفرنس بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ بجائے تین دن کے کانفرنس پانچ دن ہوتی رہی اور بڑی شان سے، دستور اساسی نے بڑا وقت لیا..... اخراجات تقریباً آٹھ ہزار آئے ہیں.... الغرض جناب کی دُعا سے کانفرنس نہایت ہی کامیاب رہی مفصل کارروائی جناب دردؔ صاحب نے آنحضور کو بھیجدی ہوگی، میرا خیال بھی ہے پنجاب آنے کا۔ انشاءاللہ شرف قدمبوسی حاصل کروں گا۔ احراری خیال کے چند افراد غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ میں کشمیر کمیٹی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کا کھیل بنا ہوا ہوں۔

کبھی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ بھی بدل گیا ہے، مگر خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اس لیے ان کو ہمیشہ ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب کی دعائیں ہمیشہ میرے شاملِ حال ہوں گی، آخر مجھے اپنا بچہ سمجھتے ہوئے مجھے حق حاصل ہونا چاہیئے کہ کبھی کبھی مجبوری کی وجہ سے جناب سے گستاخی کا بھی مرتکب ہو جاؤں اور پھر معافی بھی طلب کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب کا ارشاد گرامی جلدی ہی میری تسلی کرے گا۔ عبدالرحیم صاحب اور محمد یحییٰ صاحب رفیقی کی طرف سے مؤدبانہ عرض و سلام۔

آپ کا تابعدار

شیخ محمد عبداللہ

(نقل مطابق اصل تحریک آزادی کشمیر اور جماعت احمدیہ جلد ششم حصہ دوئم)

مسلم کانفرنس کا یہ پہلا ابتدائی اجلاس تلخیوں، رنجشوں اور کدورتوں کے باوجود بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا، ریاست بھر کے مسلمانوں میں اس یکجہتی سے جوش اور ولولہ پیدا ہوا مسلم کانفرنس اس اجلاس کے چرچے بہت دنوں تک جاری رہے۔ ریاست کے تمام مسلمانوں نے اس دو یک جہتی پر شادمانی کا اظہار کر کے اس تنظیم کو اپنی نجات کا واحد آسرا سمجھ لیا۔

مسلم کانفرنس کے وجود میں آنے پر جہاں غیر مسلموں نے اس تنظیم اور تنظیم کے رہنماؤں کے خلاف اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے اپنے غم و غصّے کا اظہار کیا وہاں مسلم رہنماؤں نے غیر مسلموں کے تئیں نرم روی اپنائی، اس سلسلے میں چودھری غلام عباس خاں نے اپنے ایک بیان میں فرمایا:-

"گزشتہ تلخ کامیوں کو بھلا کر میں مسلمانانِ ریاست کی طرف سے نہایت صدق دلی سے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے اپیل کروں گا کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان کسی قوم کے جائز حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ ڈالنا نہیں چاہتا وہ ہر قوم کے لیے انصاف کا طلبگار ہے اور اپنے لیے صرف اپنا حق مانگتا ہے آؤ ہم سب مل کر استخلاص وطن کے لیے جدوجہد کریں میں غیر مسلم ریاستی رہنماؤں سے متوقع ہوں کہ وہ مصالح ملکی نظام پیش نظر میری اپیل پر جرأت اور نیک نیتی سے غور کریں گے

انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ ان کی اپنی قوم کی بھی حقیقی فلاح اسی میں ہے۔"

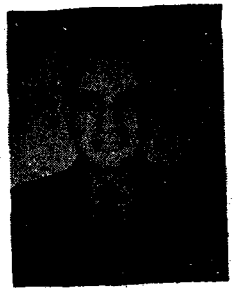
شیخ محمد عبداللہ نے غیر مسلموں سے مخاطب ہوکر کہا:۔

"میری جدوجہد اپنے وطن کی ترقی اور بہبود کے لیے ہے آؤ ہم سب کے سب فرقہ وارانہ اختلافات سے بالاتر ہوکر عوام کی بہبود کے لیے اشتراک اور تعاون سے کوشش کریں۔ میں اپنے ہندو بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ وہم خوف وخطر اور شک وشبہ کو اپنے دماغ میں جگہ نہ دیں، ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کریں تو ان کے حقوق کسی طرح بھی خطرے میں نہیں پڑیں گے۔"

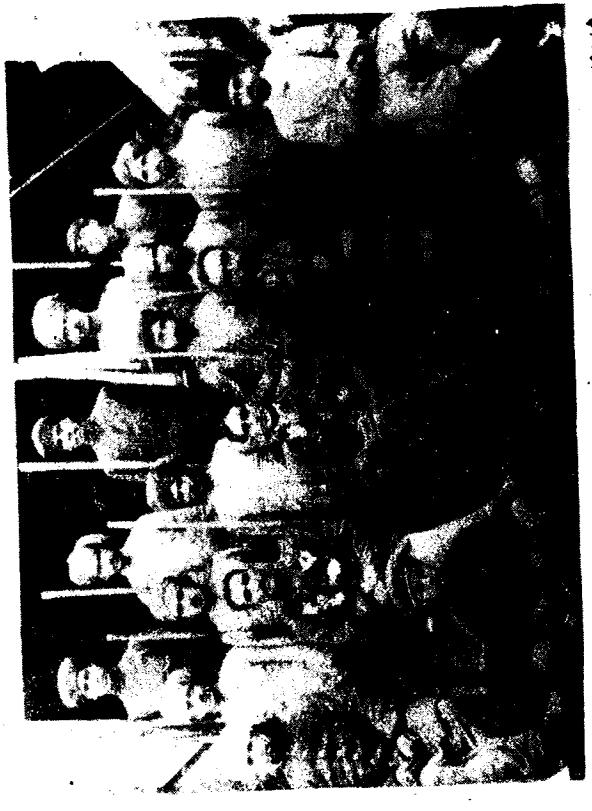
مسلم رہنماؤں کے ان بیانات سے پریم ناتھ بزاز اور سردار بدھ سنگھ متاثر ہوسکے چنانچہ انھوں نے مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے غیر مسلموں کے حقوق کا پرچار کیا۔



سردار بدھ سنگھ



پریم ناتھ بزاز



۱۹۳۵ء میں چوہدری غلام عباس خان مسلم کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے باقیوں سے دائیں

قاضی عبدالغنی دائیں۔ بخشی غلام محمد، چوہدری غلام عباس خان، شیخ محمد عبداللہ اور شیخ محمد اکبر۔ والینٹیروں کے ساتھ۔



(بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں):۔
جناب مولانا محمد سعید مسعودی۔ جناب مولانا غلام مصطفےٰ مسعودی
جناب سیّد غلام محی الدین اندرابی
(کھڑے ہوئے بائیں سے دائیں):۔
جناب سیّد محمد مقبول بیہقی ۔ جناب صدرالدین مجاہد، اورینگ عبداللہ

..یہی انتہا ہے حقیقتاً مرے دوستوں کے خلوص کی
کہ مصیبتوں میں کبھی کبھی مری دشمنوں پہ نظر گئی

مسلم کانفرنس کی عمارت میں شگاف

مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی جس کا نام "جموں وکشمیر مسلم کانفرنس" رکھدیا گیا تھا۔ غیر مسلموں نے اس سے بہت خار کھایا، ہندوستان کے کٹر ہندو پریس نے اس تنظیم کے خلاف زوردار آرٹیکل لکھ کر نہ صرف ریاست کے غیر مسلموں کو اس تنظیم سے خبردار کیا بلکہ بیرون ریاست کے ہندوؤں کو اس قسم کی تنظیم غلام قوم میں وجود میں لائے جانے کے خطرات سے آگاہ کیا۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان کا کٹر ہندو پریس کشمیری مسلمانوں کو غلام سمجھتا ہے اور ان کا کہنا ہے اس غلام قوم کو ہمیشہ غلام ہی رہنا ہے۔ لہٰذا ان کا اتحاد انہیں ہرگز نہیں بھایا۔ ہندوستان کے کٹر ہندو پریس کے علاوہ کئی ایسے لیڈر بھی اس تنظیم سے خار کھانے لگے جو اپنے آپ کو سیکولر نظریے کے قائل ہونے کے دعویدار تھے، چنانچہ "مسلم کانفرنس" جیسی تنظیم کے خدشات سے آگاہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ غیر مسلموں کے اس واویلا نے آخر کار پنڈت جواہر لال نہرو کو اس میں مداخلت کرنے کے لیے مجبور کیا اور انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اس سلسلے میں بات چیت کے لیے لاہور بلایا۔

شیخ محمد عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے نامور لیڈر کی طرف سے ملاقات کا پیام ملنے پر خوشی سے پھولے نہیں سمائے چنانچہ وہ ملاقات کے لیے لاہور روانہ ہو گئے انہوں نے اپنے ساتھ غلام احمد عشائی کو بھی لیا۔

لاہور گیسٹ ہاؤس میں ان کے قیام و طعام کا خاصا انتظام کیا گیا تھا لیکن پنڈت نہرو مصروفیت کی وجہ سے لاہور نہ آسکے، البتہ اپنی طرف سے بات چیت کے لیے انھوں نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو بھیجدیا۔

ڈاکٹر کچلو کے ہاتھ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کے نام جو پیام بھیجا تھا اس میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ :

"کشمیر میں مظلوم صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں ۔ لہٰذا اپنی تنظیم میں انہیں بھی جگہ دی جائے کانگریس اگر ایک غیر مسلم کے مقابلے میں آپ جیسے مسلمانوں کی حمایت کرتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ غیر مسلموں کو نظر انداز کریں ۔ ایک قومی لیڈر عوام کو دین و مذہب کی نظروں سے نہیں دیکھتا ۔"

شیخ صاحب اور عشائی صاحب پر اس بات کا کچھ اثر ضرور ہوا، چنانچہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ذریعے پنڈت نہرو کو یہ سندیسہ بھیجا گیا کہ وقت آنے پر آہستہ آہستہ غیر مسلموں کو بھی اس تنظیم میں جگہ دی جائے گی، فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔

لاہور میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ساتھ ملاقات کے بارے میں جب اخبار "انقلاب" کے نمائندے نے شیخ صاحب سے پوچھا تو انھوں نے واضح الفاظ میں بتایا :-

"کشمیر میں فرقہ وارانہ کھچاؤ بہت حد تک پنجاب کے فرقہ پرست لیڈروں کے پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ پنجاب کے لوگ ہمارے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کریں، میرا آئندہ پروگرام کانگریس کے اصولوں پر کام کرنا ہوگا اور میں عنقریب وطن جا کر اس قسم کی انجمن کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہوں جو مسلم پرور کے بجائے قوم پرور کے نظریے کی حامی ہو ۔"

شیخ عبداللہ کے اس بیان سے پنجاب کے مسلم رہنما جو تن من اور دھن سے کشمیر کی تحریک حریت کے لیے کام کر رہے تھے حیران و پریشان ہو گئے ۔ چنانچہ شیخ محمد صادق کی قیادت میں ایک وفد ان سے گیسٹ ہاؤس میں ملاقاتی ہوا اور ان سے اس اخباری بیان کی وضاحت چاہی ۔

شیخ عبداللہ نے وفد کا موڈ دیکھ کر ان سے کہا ۔

" میرے بیان کو پریس نے غلط طور پر پیش کیا ہے ۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ آپ ہمارے لیے جو کام کر رہے ہیں وہ تب تک جاری رکھیں جب تک ہماری ناؤ کنارے نہیں لگتی ۔"

اس موقع پر شیخ صادق نے شیخ عبداللہ سے پوچھا :- "کشمیر میں مسلم رہنماؤں کے درمیان

جو رنجشیں پیدا ہو گئی ہیں ۔ کیا، وہ دوستی میں بدل نہیں سکتی ؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا ۔" ہاں ! کیوں نہیں ۔"

غلام احمد عشائی نے بات آگے بڑھائی ۔

" اگر آپ جیسے مخلص لوگ اس کام میں پہل کریں گے تو ضرور دشمنی دوستی میں بدل جائے گی ۔"

وفد کے ارکان جب شیخ صاحب کا جواب سن کر مطمئن ہوئے تو شیخ عبداللہ کے لیے پریس کو غلط بیانی کا مرتکب ٹھہرانا ایک کارآمد اور مفید نسخہ ہاتھ آ گیا ۔ پہلے ہی مرحلے پر وہ اپنے بچاؤ میں پریس پر الزام لگانے میں کامیاب ہو گئے ۔ تو بعد میں اس مفید اور کارآمد نسخے کو مرتے دم تک استعمال میں لائے ۔

لاہور میں ان دونوں لیڈروں نے جموں میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ جموں کے مسلم رہنماؤں کی سرینگر کی ناراضگی دور کر سکیں اور وقت ضرورت جب مسلم کانفرنس کو دفنانے کا وقت ہو اس وقت یہ رہنما کسی قسم کی رکاوٹ نہ بنیں ۔

چنانچہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو جموں میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کر لیا گیا جموں کے اس اجلاس میں حکومت کی توجہ ان مطالبات کی طرف مبذول کرائی گئی جو ورکنگ کمیٹی نے پہلے ہی ترتیب دے کر مشتہر کرائے تھے ۔

اجلاس کے سلسلے میں شیخ عبداللہ ابھی جموں میں ہی تھے کہ پنڈت تارا چند کول دہلی کانگریس کمیٹی سے پنڈت جیالال کلم کے نام یہ ہدایت لے کر آئے کہ جب شیخ عبداللہ جموں سے سرینگر تشریف لائیں تو کشمیری پنڈتوں کی طرف سے ان کا شایانِ شان استقبال کیا جانا چاہیئے ۔

۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو جب شیخ عبداللہ جموں سے سرینگر آئے تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پہلی بار پنڈتوں نے بھی ان کا استقبال کیا ۔ حالانکہ ڈوگرہ راج کے خلاف شیخ عبداللہ کی تحریک کے کارن یہ لوگ شیخ عبداللہ کی شکل دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تھے، اور مسلم کانفرنس بن جانے پر تو یہ لوگ ان کا نام تضحیک کے ساتھ لیتے تھے ۔

سرینگر آ کر شیخ عبداللہ نے اپنی مختصر تقریر میں پہلی بار "ہندو مسلم اتحاد" پر زور دیا ۔ ہندو مسلم سکھ اتحاد ایک ایسا اتحاد ہے جس پر اگر جی جان سے قربان ہونا پڑے تو وہ بھی کم ہے لیکن جب نیت میں فتور نہ ہو، جب مقصد میں کھوٹ نہ ہو اور جب نظریہ میں اختلاف نہ ہو، حالاں کہ حقیقت یہ ہے درمیان میں یہی سب کچھ تھا، پنڈت رہنماؤں نے دیر سویر تسلیم کر کے سچائی کا

ثبوت دیا کہ ہم مسلم کانفرنس میں اس تنظیم کو مٹانے اور اس کا پرچم ہٹانے کے لیے آئے لیکن شیخ عبداللہ کو اس سچائی کے اظہار کی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ وہ بھی کہتے کہ ہم نے اس تنظیم کو ختم کرنے کے لیے دراصل "ہندو مسلم اتحاد" کا نعرہ لگایا۔ ورنہ ہماری ایسی نیت نہ تھی۔ ۵ رمارچ کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس میں چودھری غلام عباس خان، خواجہ سعدالدین شال، آغا سید حسین جلالی، مولوی عبداللہ وکیل، پیر حسام الدین گیلانی، خواجہ غلام احمد بٹ، میاں احمد یار خان، منشی عبدالعزیز، عبدالمجید قریشی اور مولوی محمد حسین شامل کیے گئے۔ اس کمیٹی کے ذمے غیر مسلم نمائندوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا رکھا گیا۔ یہ رابطہ کس غرض سے رکھنا تھا؟ اور اس کا مدعا و مقصد کیا تھا؟ اس سے شیخ عبداللہ، غلام احمد عشائی اور بخشی غلام محمد کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ دراصل یہ مسلم کانفرنس کی تجہیز و تدفین کی تیاری تھی۔

۱۱ رمارچ کو شیخ صاحب کے ساتھ جیالال کلم اور رام ناتھ شاستری نے ملاقات کی اور ان سے پوچھا: "آپ نے پنڈت برادری کے ساتھ بات چیت کے لیے جو وفد منتخب کیا ہے اس وفد کے ارکان کے سامنے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک مسلم کانفرنس کا نام اور اس کا پرچم بدل نہیں جاتا تب تک ہم اس تنظیم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے"۔

شیخ صاحب کے لیے یہ سوال بڑا پیچیدہ تھا اور اس موقع پر ان کے پاس اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ اس سوال سے شیخ صاحب کو پنڈت برادری کے عزائم کا بخوبی پتہ چل گیا، انہوں نے جواب دینے سے پہلے اس سلسلے میں پنڈت نہرو سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ کئی بار ارادہ کرنے کے باوجود بھی وہ دہلی نہ جا سکے حالانکہ اندر ہی اندر وہ پنڈت برادری کے عزائم پر کڑھتے تھے۔

۳ رمئی کو بڈگام کے گاؤں کنہ کوٹ میں پنڈت گاشہ لال کا گھر جل گیا۔ یہ آگ یہاں رات کے پچھلے پہر لگی، اس آگ میں سبھی گھر والے زندہ جل گئے صرف ایک جوان لڑکی آدھ جلی بچ سکی۔ اس اندوہناک آگ نے علاقے کے باشندوں کو ششدر کر کے رکھ دیا جس نے بھی اس دلدوز حادثہ کے بارے میں سنا اُسے سخت صدمہ ہوا، پنڈت برادری نے اس آگ کو انتقام گیری سے تعبیر کر کے مسلم فرقے پر اس کا الزام لگایا اور اس بہیمانہ حرکت کے خلاف احتجاج کے لیے شیتل ناتھ مندر میں جمع ہونے کا اعلان کیا۔ کئی اطراف سے پنڈت لوگ جب شیتل ناتھ مندر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں بعض من چلے لوگوں نے ان پر پھبتیاں کس کر ان کے جذبات مجروح کر دیئے۔ کئی جگہوں پر ان پر پتھر بھی پھینکے گئے۔ اس زور زبردستی اور اس نامناسب حرکت کے خلاف شیتل ناتھ مندر میں احتجاجی جلسہ

میں حکومت سے ملزموں کو پکڑنے اور انھیں سخت سزائیں دینے کی مانگ کی گئی۔ مطالبات منوانے کے لیے کئی پنڈت رہنماؤں نے اسی مندر کے احاطے میں بھوک ہڑتال بھی شروع کی۔

پنڈت علاقوں میں مظاہرے جلسے اور جلوس شروع کیے گئے۔ ان جلسے اور جلوسوں میں مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ کو بھی بُرا بھلا کہا گیا۔ کنہ کوٹ کے واقعہ کو مسلم کانفرنس کی کارستانی جتا کر اس تنظیم کے خلاف شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے ۵ رمئی کو ہتھر مسجد میں ایک بڑے عوامی اجتماع کے سامنے کشمیری پنڈتوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا:

"... اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو وہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے آج تک ہم سیاسی طور ہندوؤں کے غلام تھے اب کسی قدر آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ہندو سمجھتے ہیں کہ وہ ہم کو تجارتی اور اقتصادی معاملات میں کمزور کریں گے تو یہ ان کی بھول ہے اب یہ لوگ ہم پر تسلط قائم نہیں رکھ سکتے....."

شیخ عبداللہ کی اس تقریر کا جب دور دور تک چرچا ہوا تو پنڈت رہنماؤں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک وفد دہلی روانہ کیا جو دہلی جاتے ہوئے دو دنوں تک جموں میں بھی رُکا اور یہاں کے بعض ہندو لیڈروں کے ساتھ مشورہ کیا۔

۱۳ رمئی کو یہ وفد سرینگر واپس آگیا اور ۱۴ رمئی کو پنڈت جیالال کلم کے گھر پر پنڈت رہنماؤں کو دورے کی تفصیلات بتائی گئیں۔

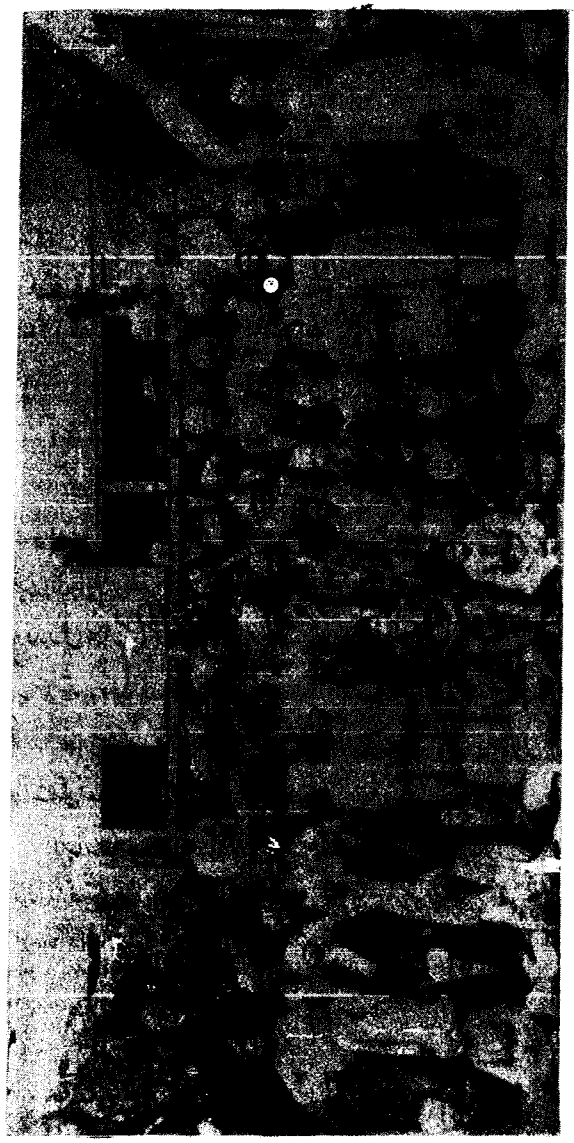
اخبار "پاسبان" کے ایڈیٹر سید معراج الدین احمد کے بیان کے مطابق پنڈت جیالال کلم کے گھر میں اسی روز شیخ عبداللہ کی دھمکی کے پیشِ نظر "مسلم کانفرنس" کو شیخ عبداللہ کے ہاتھوں ختم کرنے کا وچن لیا گیا۔



جناب منشی معراج الدین



پنڈت جیالال کلم



۱۹۳۵ء میں جب مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا تو غیر مسلموں نے اس تنظیم سے خار کھایا۔ شیخ محمد عبداللہ جو پچھلی صف کے منبر میں کھڑے ہیں۔ انہیں آگے لا کر ان سے مسلم کانفرنس کو توڑنے اور مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا کام لیا گیا۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

تحریکِ حریّت پر فتنہ و فساد اور غبن کے سائے

تنظیم مسلم کانفرنس میں غیر مسلموں کی گھس بیٹھ کو دیکھ کر مولوی یوسف شاہ اور ان کے قریبی ساتھی اندر ہی اندر سخت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ لیکن کھلے بندوں اس کی مخالفت کر کے اپنے اوپر یہ لیبل لگوانا نہیں چاہتے تھے کہ وہ تنظیم میں صرف تفرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ البتہ مسلم کانفرنس کے خلاف غیر مسلموں کی سازشیں دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ اس بارے میں وہ اس سازش کی کھلم کھلا مخالفت کرنے کے بجائے چور دروازہ استعمال کرنے لگے۔

انھوں نے چیدہ چیدہ جوانوں کی ایک ایسی جماعت منظم کی جو شیخ عبداللہ اور اُن کے قریبی حمایتیوں پر وار کرنے پر مامور کی گئی۔ اس سلسلے کی پہلی کاروائی انھوں نے ۲۹ جون ۱۹۳۳ء کو پتھر مسجد کے احاطے میں اس وقت کی، جب شیخ صاحب ایک بڑے عوامی اجتماع سے خطاب کرنے لگے۔

شیخ صاحب اسٹیج پر کھڑے ہو کر ابھی لوگوں کی تالیوں کی گونج میں کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اچانک بھگدڑ مچ گئی، لوگ بھاگنے لگے۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا؟ کہاں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ جلسہ گاہ سے شیخ عبداللہ، مولانا مسعودی اور بخشی غلام محمد چلا چلا کر عوام کو پُرامن رہنے کی تلقین کر رہے تھے لیکن لوگ تھے کہ بھاگ رہے تھے۔

اِس بھاگ دوڑ میں یہ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ مجمع منتشر ہونا تھا سو ہوا۔ بہت لوگ دھکم پیل میں زخمی ہونے تھے سو ہوئے لیکن یہ کیا ہوا؟ اور یہ سب کس نے کیا، کرایا؟ اس سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ چنانچہ یکم جولائی کو شیخ صاحب نے مولوی یوسف شاہ اور اُن کی پارٹی کو دھمکی دی کہ "اگر وہ ہمارے خلاف تخریبی کاروائی بند نہیں کریں گے تو ہمیں اُن سے نپٹ

لوں گا۔ اگرچہ میں لڑنا نہیں چاہتا ہوں لیکن ان کے کرتوتوں کے طومار میرے پاس ہیں۔ میں لاری اڈے کے ڈرائیوروں کے بغیر اکیلا ہی ان سے مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن میں ابھی خاموش رہوں گا جب حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے تب دیکھا جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں ہوگی۔"

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی سے مولوی یوسف شاہ خاموش رہنے والے کہاں تھے۔

دھمکی اور جوابی دھمکی کئی دنوں تک جاری رہی۔ آخر ۱۱ر جولائی ۱۹۳۳ء کو ان دھمکیوں نے فساد کی صورت اختیار کر لی، اس فساد کی ابتداء گوجوارہ میں ہوئی۔ فساد میں طرفین کے بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ دکانداروں کو لوٹا گیا اور کئی مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ چنانچہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔ پولیس کی آمد سے حالات پر قابو تو پایا گیا لیکن فتنہ فسادات کا جو پودا یہاں لگایا گیا تھا اس نے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لی۔

اس فساد کا الزام شیروں نے بکروں پر لگایا اور بکروں نے شیروں کو ملزم ٹھہرایا۔

مولوی یوسف شاہ زہر اُگلنے کے لئے دلال محلہ گئے اور شیخ عبداللہ نے پتھر مسجد کا رُخ کر کے وہاں مولوی خاندان پر تابڑ توڑ حملے کئے۔

فساد بڑھتے بڑھتے عالی کدل پہنچ گیا۔ لڑائی میں طرفین کے کئی آدمی شدید زخمی ہو گئے۔ آشپازوں اور قصائیوں نے چھریوں کا مظاہرہ کیا۔ گورنر سلام شاہ نے پولیس پارٹی لے کر علاقے کا محاصرہ کرایا۔ محمد سلطان وڈہ اور ایم۔ اے حلوائی ہسپتال میں بھرتی کیے گئے۔

ادھر سرینگر میں "شیر بکرا" لڑائی جاری تھی کہ اسلام آباد میں چشمہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد ہو گیا۔ اس فساد میں شامل ہونے کے لئے جموں سے ڈوگروں کا ایک وفد بھی آ گیا تھا۔

مسلم رہنماؤں کے درمیان صلح صفائی کا دور پھر شروع ہو گیا۔ مولوی عبدالرحیم اور، بخشی غلام محمد نے اس میں اہم رول ادا کیا۔ عالی کدل کے ایک معزز گھرانے میں ان کے لئے دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ جس روز دونوں مخالف شام کو دعوت میں شامل ہو رہے تھے اسی روز صبح مولوی یوسف شاہ نے جامع مسجد میں دوران واعظ فرمایا:

"ہم تب تک کوئی صلح نہیں کریں گے جب تک مرزائی اس تحریک سے علیحدہ نہیں ہو جاتے"

یہ اصل میں مولوی غلام نبی کا کھڑا کیا ہوا فتنہ تھا جو ہر صلح کے موقعہ پر کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیتا تھا۔

شیخ عبداللہ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے جا کر خانقاہ معلی میں حاضرین کے سامنے فرمایا:

"مولوی اور ملّہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مرزائی مولوی ہیں اور یوسف شاہ مولوی نہیں بلکہ ملّہ ہے اور ملّہ مسلمانوں میں نفاق ڈالتا ہے۔"

شیخ صاحب کے اس بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا، دونوں طرف رسّہ کشی بڑھ گئی۔

نور محمد (بک سیلر) کے گھر میں تعلیم یافتہ جوان جمع ہو گئے اور انھوں نے مسلم رہنماؤں کی آپس کی رسّہ کشی پر اظہارِ افسوس کیا اور نور محمد صاحب کو اختیار دیا گیا کہ وہ دونا راض لیڈروں کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کریں۔

ابھی نور محمد صاحب اس صلح صفائی کی ابتدا ہی کر رہے تھے اور اپنے دیگر ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کر رہے تھے کہ سرائے بالا میں دوران واعظ مولوی یوسف شاہ پر حملہ کیا گیا۔ اکیس ۲۱ آدمی زخمی ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس فساد نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ محلوں میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے مورچے بنائے گئے۔ کئی دکانداروں کو لوٹا گیا اور راہ چلتے لوگوں سے "شیر" ہو یا "بکرا" پوچھ کر پیٹا گیا۔ کسی بزرگ پر شک ہو جاتا کہ یہ "بکرا" ہے تو اس کے گرد گھیرا ڈال کر ان کے جذبات مجروح کرنے کے لئے کہا جاتا۔

"بکرا چے، کورِ چھے ترٹے، زہٗ گیہ ژٹے اکھ دنِ مٹے"

"اے بکرے تمھاری تو تین بیٹیاں ہیں، ڈوتم رکھ لو ایک مجھے دیدو!"

شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی۔ گورنر نے پولیس آفیسروں کی ایک میٹنگ بلائی اور فیصلہ کیا گیا کہ مولوی یوسف شاہ جامع مسجد میں، مولوی احمد اللہ ہمدانی خانقاہِ معلی میں، اور شیخ عبداللہ پتھر مسجد میں صرف مذہبی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ ان جگہوں کے بغیر کسی اور جگہ بغیر اجازت تقریر نہیں ہوگی۔

شہر کے کئی علاقے فساد کی زد میں آ گئے۔ اِن فسادات کی سرسری تحقیقات کے دوران کسی نے اس کا الزام شیخ عبداللہ کے گروپ پر لگایا تو دوسرے نے مولوی یوسف شاہ کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس طرح ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے والے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور ان دشمنوں کا ایک دوسری پارٹی کی طرف سے قافیہ تنگ کیا جانے لگا۔

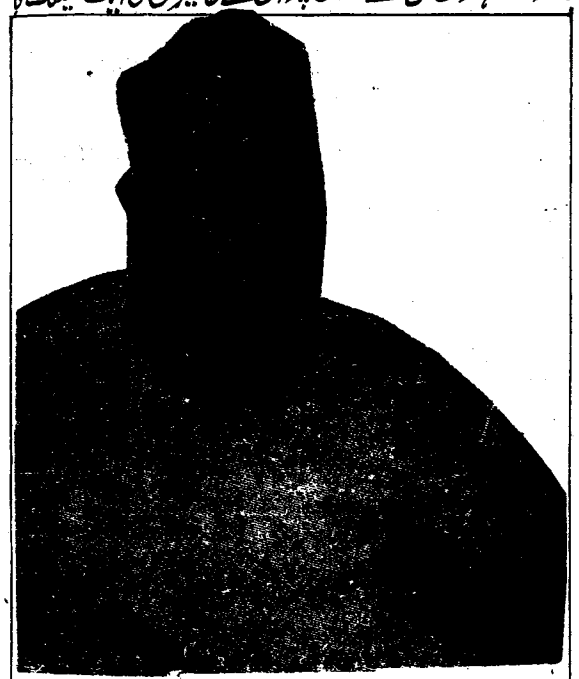
عبدالمجید سالک اور محمد حسین نے پھر صلح صفائی کی کوشش کی، مولوی یوسف شاہ نے اِس شرط

پر صلح کرنا مان لیا کہ مرزائیوں کو تنظیم سے نکال دیا جائے۔ شیخ صاحب نے یہ شرط قبول کرلی تو دونوں کو سعدالدین شال کے گھر بلایا گیا۔ عین اسی روز خانیار اور زینہ کدل میں دونوں پارٹیوں کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی۔

سعدالدین شال کے گھر میں اور لوگوں کے علاوہ مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ وازہ وان تناول فرما رہے تھے اور خانیار سے لے کر زینہ کدل تک طرفین کے درجنوں لوگ مار پیٹ میں زخمی ہو رہے تھے۔ کئی گھرانے لوٹے جا رہے تھے۔

ان فسادات سے حکومت کے لئے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ وزیراعظم نے مسلم رہنماؤں کو بلاکر ان میں صلح کرائی لیکن یہ صلح بھی عارضی ثابت ہوئی۔

مولوی یوسف شاہ نے مسلم کانفرنس سے علیحدگی اختیار کرلی اور ایک الگ تنظیم بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ محمد عبداللہ بسو مہاراج گنج کے مکان پر ان کے حامیوں کی ایک میٹنگ کا



میر واعظ مولوی یوسف شاہ صدر آزاد مسلم کانفرنس

انعقاد ہوا۔ جس میں نئی تنظیم کے نام اور اس کے لائحہ عمل پر غور و خوض کیا گیا۔ تنظیم کے کئی نام زیر غور آئے اور آخر پر "آزاد مسلم کانفرنس" کو اکثریت کی تائید حاصل ہوگئی۔ اس روز میٹنگ میں مولوی یوسف شاہ کے ساتھ ان کے زبردست حامی عبدالسلام دلال کے علاوہ عبدالرحیم بانڈے، عبدالسلام پارمو، منشی اسداللہ، صوفی غلام احمد، خضر محمد زور، غلام محمد ملک المعروف مامہ برنجو اور

حاجی اسداللہ سوکالی پورہ وغیرہ شامل تھے۔ بعد میں اس تنظیم میں غلام محی الدین رہبر بھی شامل ہوگئے۔

یہیں پر "آزاد مسلم کانفرنس" کا پہلا اجلاس جامع مسجد کے احاطے میں کرنے کا اعلان کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے مولوی ہمدانی اور ان کے عقیدتمندوں کو آگاہ کیا کہ وہ مولوی یوسف شاہ کو جامع مسجد میں کوئی جلسہ کرنے سے روکیں، چنانچہ مولوی ہمدانی نے مولوی یوسف شاہ کے اس اعلان کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کرلیا اور اس نئی کانفرنس کو ناکام بنانے کے لئے انجمن اتحاد المسلمین کے نام سے ایک اور جماعت قائم کی۔

مولوی یوسف شاہ کے حمائیتوں نے اس کانفرنس کو "شوذہ کانفرنس" کہہ کر اس کی تذلیل کی، ۲۴ نومبر کو سارے شہر میں بڑے بڑے پوسٹر دیواروں پر چسپاں دیکھے گئے۔ جس میں انجمن اتحاد المسلمین کا دو روزہ پروگرام درج تھا۔ یہ کارروائی آزاد مسلم کانفرنس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ اس کا تخیل نور محمد (کتب فروش)، غلام محمد فاروقی، غلام جیلانی اور غلام الدین بانڈے نے دیا۔ اسی دوران سرینگر کے مختلف تکیوں کے شوذوں نے اپنی کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان پوسٹروں کے ذریعے کیا تھا اور یہ پوسٹر انجمن اتحاد المسلمین کے پوسٹروں کے ساتھ ساتھ دیواروں پر لگے تھے۔ حاجرہ بی بی کے تکیہ، شہام پورہ تکیہ، سراج بازار تکیہ، کلاش پورہ تکیہ اور مائیسمہ کے تکیہ داروں نے بڑی سرگرمی شروع کی تھی۔ اسی مناسبت سے آزاد مسلم کانفرنس اور انجمن اتحاد المسلمین کی کانفرنس پر شوذہ کانفرنس کا خطاب ملا۔

حسب پروگرام جامع مسجد میں "آزاد مسلم کانفرنس" کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی یوسف شاہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں ریاست کے حکمرانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ آزاد مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس جاری تھا کہ خانقاہ معلیٰ میں مولوی ہمدانی کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مولوی عبداللہ وکیل، میاں احمد یار خاں، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جامع مسجد کے اجلاس میں خانقاہ معلیٰ کی "شوذہ کانفرنس" کو کوسا جا رہا تھا اور خانقاہ معلیٰ کے اجتماع میں "بکرہ کانفرنس" ہدف ملامت بن رہی تھی۔

مولوی ہمدانی کے حمائیتی جامع مسجد کے باہر دھما چوکڑی کرتے تو مولوی یوسف شاہ کے حمائیتی خانقاہ معلیٰ کے پاس ہڑ بھونگ مچانے لگے۔

دونوں طرف کی یہ فسادی ٹولیاں ایک دوسرے کو پچھاڑنے پر تُلی ہوئی تھیں۔ دونوں مولویوں کی اس صورت حال نے خانہ جنگی کا سماں باندھ لیا۔ جس میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔

مولوی یوسف شاہ اور مولوی احمد اللہ ہمدانی کے حمائتی جو "ثریکہ اور کوٹھ" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ شیر اور بکرا کے بعد ثریکہ اور کوٹھ کی لڑائی شرمناک حدود کو پھاندنے لگی۔

یہ دور مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی اور ذہنی دیوالیہ پن کا ایسا دور تھا جس میں سبھی مسلمان انتہائی پستی کی طرف جا رہے تھے۔ یہ دور اگرچہ پورے پانچ برس تک جاری رہا لیکن اس کے آثار برسوں تک قائم رہے۔

یہی وہ دور تھا جب ایک طرف "شیر بکرا" لڑائی تھی اور دوسری طرف میر واعظ مولوی یوسف شاہ اور میر واعظ مولوی ہمدانی میں پیشتر دشمنی اور جماعتی اختلافات نمایاں طور پر منظر عام پر آنے لگے۔ ان دونوں میر واعظوں کی ذاتی دشمنی کے ساتھ ساتھ مولوی عبداللہ وکیل پر مرزائی ہونے کا شوشہ اور جگہ جگہ ان کی ہوٹنگ بھی جاری رہی۔

واعظ خوانی اور تبلیغ کی آڑ میں دین و مذہب کے نام پر لوگوں کو یے وقوف بنا کر ان کا استحصال کیا جانے لگا۔

"شیر اور بکرا" "ثریکہ اور کوٹھ" کے نام سے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کا بیڑہ جو مسلم رہنماؤں نے اُٹھایا اور اس غرض کے لئے جامع مسجد، خانقاہ معلی اور حضرت بل جو دین و مذہب کے اہم مراکز مانے جاتے تھے تخریبی کارروائیوں اور فتنہ و فساد کے اڈوں میں تبدیل ہو گئے۔

اِن مذہبی اور دینی مراکز پر جہاں مسلمانوں کو اتحاد و یکجہتی کا درس دیا جاتا، اخوت اور مساوات سے روشناس کرایا جاتا وہاں مسلمانوں کو آپس میں لڑنے مارنے اور ایک دوسرے کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو لوٹنے کی تحریک مل گئی۔ اس نئی تحریک نے تحریک حریت کا جو حشر کیا وہ آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

چونکہ مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس میں کوئی معروف شخصیت شامل نہیں تھی اس لئے یہ پارٹی لوگوں میں ہدف ملامت بن گئی۔ ہر محبِ وطن نے ان کی اس علیحدہ پارٹی بنانے پر اظہار ناراضگی کی اور اسے اتحاد کے لئے نقصان دہ قرار دیا۔

لوگوں کی اِس پارٹی کے تئیں ناراضگی اور عدم توجہ کو مدنظر رکھ کر مسلم نمائندگان نے مُسلم

کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے اور اسے ریاست بھر میں پھیلانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب سے پہلے مسلم کانفرنس کو تنظیمی اور مالی اعتبار سے مضبوط بنانے کے لئے عملی جدوجہد شروع کی گئی صوبہ کشمیر کے ساتھ صوبہ جموں کے تمام قصبوں اور دیہاتوں میں مُسلم کانفرنس کی شاخیں قائم کی گئیں۔

سوپور سے صوفی محمد اکبر، سرینگر سے مولوی محمد یاسین، بارہمولہ سے عبدالرحیم ڈار، حاجن سے عبدالکبیر خان المعروف جیل بابا، سُنبل سے مختار احمد، ترال سے عبدالغنی ترالی، اسلام آباد سے مرزا افضل بیگ، گاندربل سے غلام قادر گاندربلی کو تنظیم کی شاخیں کھولنے پر معمور کیا گیا۔ قومی فنڈ کے نام سے ادارۂ بیت المال کے منتظم اعلیٰ بخشی غلام محمد مقرر کئے گئے۔

شیر اور بکرا کے ساتھ ثریکہ اور کوٹھ کی معرکہ آرائی جاری تھی کہ اچانک اس کا رُخ بدل گیا۔ اب کی بار صفائی کے ہفتہ کے سلسلے میں اسکولوں کے بچے مارچ پاسٹ کرنے نکلے، اسلامیہ اسکول کے بچوں پر کئی شرپسند پنڈتوں نے حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ جب اس فساد نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور زینہ کدل و مہاراج گنج میں غیر مسلم دُکانوں پر ہلہ بول دیا گیا تو زیارت ریشی صاحب حبہ کدل پر لوگوں کو جمع کر کے اُنھیں پُرامن رہنے کی تلقین کی گئی، یہاں مولوی یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ نے ایک ساتھ اسٹیج پر آکر لوگوں کو شرپسندوں کی حرکات سے خبردار کیا۔ اُنھوں نے واضح الفاظ میں کہا:

"یہ حملہ دراصل ہندوؤں نے نہیں بلکہ چند فسادیوں نے کیا ہے۔"

یہاں ریشی صاحب کے آستانے پر مسلمانوں کا جلسہ ہوا اور ادھر گنپت یار مندر میں گیشپ بندھوا اور جیالال کلم کی سربراہی میں پنڈتوں کا احتجاجی جلسہ ہوا۔

اِس فساد میں طرفین کے کوئی پانچ سو آدمی زخمی ہوئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

ریشی صاحب کے اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد مولوی صاحب اور شیخ صاحب گنپت یار گئے اور فساد کی روک تھام کے لئے ایک امن کمیٹی ترتیب دی۔

مسلمانوں کی طرف سے سعدالدین شال، غلام احمد عشائی، شیر علی، میر مقبول گیلانی اور پنڈتوں کی طرف سے اے۔ کے۔ رازدان، تارا چند ترسل، آنند کول بامزئی اور گیشپ بندھو مقرر ہوئے۔

یہیں پر ۱۵ اگست کو حضوری باغ میں دونوں فرقوں کا مشترکہ جلسہ کرنے کا اعلان

کیا گیا۔ جلسہ کی تیاریاں شد و مد سے ہونے لگیں۔ امیر اکدل سے حضوری باغ تک محرابیں لگائی گئیں۔ کانگریس کی طرف سے کشمیری پنڈتوں کو اس اجلاس میں بڑے پیمانے پر شرکت کی ہدایت مل گئی تھی۔ لیکن کیشپ بندھو، رام ناتھ شاستری اور جیالال کلم اس میں شریک نہ ہوئے، پنڈت پریم ناتھ بزاز نے پنڈت برادری کی طرف سے شیخ صاحب کو ایک سپاسنامہ پیش کیا جو دہلی میں کانگریس پارٹی نے ترتیب دیا تھا۔ لیکن دیگر پنڈت رہنماؤں کی عدم شرکت کی وجہ سے اکثر پنڈت جلسہ میں شریک نہ ہوئے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز کی اس حرکت پر پنڈت برادری نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف بزاز صاحب کا قافیہ تنگ کیا۔ بلکہ اُن کا سوشل بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ ایک موقعہ پر ان کے گھر پر تھپراؤ بھی کیا گیا۔

پنڈت جیالال کلم، کیشپ بندھو، ڈاکٹر پشن وغیرہ اس بات پر بضد تھے کہ پہلے مسلم کانفرنس کا نام مٹایا اور اس کا پرچم ہٹایا جائے پھر ہم شرکت کریں گے۔

پنڈت رہنماؤں کی اس ضد اور ہٹ نے شیخ عبداللہ کے لئے عجیب صورت حال پیدا کردی انھوں نے پنڈت برادری سے کہا۔ میں اِس سلسلے میں پنڈت نہرو سے بات چیت کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں لیکن عدیم الفرصت ہونے کے سبب میں اس دوران دہلی نہیں جاسکا۔ چنانچہ اب کی بار انھوں نے اس سلسلے میں بخشی غلام محمد کو دہلی روانہ کیا۔ دہلی میں پنڈت نہرو سے ملاقات کے فوراً بعد ڈاکٹر سیف الدین کچلو، سرینگر آکر خواجہ احمد اللہ شہداد کے گھر میں ٹھہر گئے اور یہیں پر شیخ عبداللہ، پنڈت جیالال کلم اور پریم ناتھ بزاز کی کئی میٹنگیں ہوئیں۔ ڈاکٹر کچلو نے اس اُلجھے ہوئے معاملے پر ان رہنماؤں کے ساتھ تفصیل کے ساتھ گفتگو کی، پنڈت رہنماؤں کو یقین دلایا گیا کہ دیر سویر ان کا مطالبہ پورا ہوگا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ صاحب کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

۱۲ اکتوبر کو خانقاہ معلیٰ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مشترکہ جلسہ ہوا۔ اس میں ہوم منسٹر وجاہت حسین، نواب خسرو جنگ اور سر عبدالقادر بھی موجود تھے مسلم کانفرنس کی صفوں میں غیر مسلموں کو شامل کرنے میں حکومت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کام کی عملآوری میں حکومت نے مسلمان وزیروں کو جھونک دیا۔

خانقاہ معلیٰ کے اسٹیج پر غیر مسلم رہنماؤں کی شرکت اور مسلم کانفرنس کی تبدیلی کے سبھاؤ نے کئی مسلم رہنماؤں کو ناراض کردیا۔ ان میں مولوی یوسف شاہ پیش پیش رہے، انھوں نے

شیخ عبداللہ کی اس کارروائی کی مخالفت دوسرے انداز سے کی۔

مولوی صاحب نے شیخ عبداللہ پر تنظیم میں پھوٹ ڈالنے اور تنظیم کے فنڈس غبن کرنے کے الزامات لگائے۔ شیخ صاحب خاموش رہنے والے کہاں تھے۔ انھوں نے مولوی یوسف شاہ کا کچا چٹھا نکال دیا۔ اس طرح جب ایک دوسرے پر پارٹی فنڈس غبن کرنے اور حکومت کا آلہ کار بننے تنظیم کے خلاف سازشیں کرنے کے الزامات اور جوابی الزامات نے شدت اختیار کرلی تو تحریک دوسرا رُخ اختیار کرنے لگی۔

وہ مرد جو اپنا پیٹ کاٹ کر اور وہ عورتیں جو اپنے زیورات بیچ کر مسلم اتحاد کے لئے چندہ دے رہی تھیں۔ وہ دوسری تنظیمیں مالی امداد جمع کرکے کشمیری مظلومین کے لئے بھیج رہی تھیں۔ اس سب کو مالِ غنیمت جان کر یہاں کے بعض مسلم رہنما لوٹ رہے تھے اور سرِ راہ اس کا بھانڈا بھی پھوڑ رہے تھے۔ ان حالات نے اکثر مسلم رہنماؤں کو شرمسار کیا۔ شرمسار ہونے والوں میں وہ مسلم عہدیدار بھی شامل تھے جو بظاہر حکومت کے تابعدار تھے مگر بہ باطن مسلم اتحاد کے طرفدار تھے۔

ان میں وزیر محمد خاں ڈی۔ آئی۔ جی، مسٹر عبدالرشید اے۔ ڈی۔ ایم اور اے۔ ایس۔ پی حکیم حبیب اللہ شامل تھے۔ ان پولیس آفیسروں نے صبح سویرے شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ کے گھر جاکر انھیں گاڑی میں بٹھادیا اور گگری بل میں چوہدری خوشی محمد ناظر کی کوٹھی پر پہنچادیا۔ یہاں ناظر کے ساتھ اس وقت ملک محمد شیر خان بھی موجود تھے۔

دونوں مسلم رہنماؤں کو یہاں لاکر پہلے انھیں چائے پلائی گئی اور اس کے بعد ان کی خوب خبر لی گئی۔ انھیں مسلمانوں کا نام و ناموس بدنام کرنے پر اُن کی ملامت کی گئی۔

خوشی محمد ناظر نے ان سے کہا:

"آپ کو یہ جاننا چاہیئے کہ مجھے خوشی محمد ناظر سابقہ گورنر اور ریونیو منسٹر کہتے ہیں۔ میں وہ شخص ہوں جس نے یہاں ظلم و زیادتی اور بیگاری کے خلاف ایک موثر قدم اُٹھایا۔ میں نے رشوت خوری اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف یہاں ایک کامیاب تحریک چلائی۔ میں نے بھیس بدل کر رنگے ہاتھوں کئی بڑے بڑے آفیسر پکڑ کر انھیں کیفر کردار تک پہنچادیا۔ بددیانتی، لوٹ کھسوٹ اور رشوت خوری کے خلاف میرا جہاد لوگوں کو آج بھی ازبر یاد ہے۔ آپ کو جاننا چاہیئے مظلوم کشمیریوں کے لئے امداد کے نام سے جو رقومات یہاں آرہی ہیں ایک تو آپ ان رقومات پر ہاتھ صاف کررہے ہیں۔ دوسرے اس کا جو چرچا کررہے ہیں۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

وزیر محمد خان نے دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اوّل تو آپ امدادی رقومات ہڑپ کر کے گہنگار بن رہے ہیں اور دوسرا سہرا راہ اس کا چرچا بھی کر رہے ہیں اور ایسا کر کے آپ کو شرم بھی نہیں آتی!"

شیخ صاحب نے مولوی صاحب کی موجودگی میں کہا:

"مجھے خود بھی اس کا احساس ہے مگر اس مولوی کو کیا کیا جائے، انھوں نے وقت وقت پر مسلمانوں میں نفاق ڈالا۔ یہ مرزائیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ مرزا بشیر محمود کو کشمیر کمیٹی سے نکالنے پر بضد ہیں۔ حالانکہ کشمیر کمیٹی نے ان کو پانچسو روپے دیئے ہیں۔ خود مرزائیوں کا کھاتا ہے اور مجھے مرزائیوں سے دور رہنے کو کہتا ہے۔ آپ تو خود بھی جانتے ہیں۔ وزیر اعظم ہری کرشن کول نے مامہ بقال کے ذریعے انھیں پھنسایا اور کئی روپیوں کی خاطر یہ تحریک کو کمزور کرنے کا باعث بنا، مجھ پر یہ کانفرنس کے ہزاروں روپے ہڑپ کرنے کا الزام لگا رہے ہیں، آپ عشائی سے جا کر پوچھ لیجیے۔ میں نے انھیں بھی اپنے حصّے کے ۲۵ سو روپے دیئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ مجھے بدنام کر رہے ہیں۔"

غلام احمد عشائی کو گواہ بنا کر مولوی صاحب کو غبن کی رقومات میں سے ۲۵ سو روپے دینے کا اقرار کر کے شیخ عبداللہ نے جس بات کی تصدیق کر دی اس سے خوشی محمد ناظر، وزیر محمد خان، ملک شیر محمد خان، مسٹر عبدالرشید اور حکیم حبیب اللہ دم بخود ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھوڑی دیر بعد مولوی یوسف شاہ سے اس بارے میں کچھ بولنے کو کہا گیا لیکن انھوں نے گویا ہونٹ سی لئے تھے۔ آخر پر انھوں نے ان دونوں مسلم رہنماؤں کی صلح کرا دی۔ دونوں کو ایک دوسرے کے گلے لگوایا گیا اور ان سے وعدہ لیا گیا کہ وہ آئندہ نہ کسی قسم کا غبن کریں گے اور نہ ہی پبلک جلسوں میں ایک دوسرے پر اس قسم کے الزام لگائیں گے۔

نور محمد (ڈبک سیلر مہاراج گنج) جو شیخ محمد عبداللہ کے حمائتیوں میں تھے۔ انھوں نے اپنی ڈائری کے صفحہ نمبر ۳۶-۷ میں اس رقم کو جو مولوی یوسف شاہ کو مال غنیمت میں سے دی گئی تھی۔ ۲۷ سو بتائی ہے۔ مگر اخبار "صداقت" کی ۸ فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں یہ رقم ۲۵ سو روپے درج ہے۔

پولیس آفیسر حکیم حبیب اللہ کے گھر سے جو ریکارڈ دستیاب ہوا ہے اس میں رقم کے بارے میں ۲۲ سو کا ذکر ملتا ہے۔

کہنے سننے میں کہاں غلطی ہوئی ہے اور اصل رقم کتنی ہے اس بات کو الگ رکھ کر کشمیری مظلومین کے ریلیف کی رقم میں غبن کی تصدیق چاہے یہ ۲۲ سو، ہو یا ۲۵ سو یا ۲۷ سو حد درجہ افسوسناک حرکت ہے اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے؟

کشمیری مسلمانوں کے یہ رہنما تحریکِ حرّیت کی آڑ میں جن ذلیل قسم کی حرکات کے مرتکب بن رہے تھے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

وادی کے مسلمانوں نے ان دونوں خاندانوں کی پیروی میں جو قربانیاں دیں ان قربانیوں کے ضائع ہونے کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ ان کی نیت صاف نہیں تھی۔ ان رہنماؤں کی حرکات نے تحریک کو داغدار بنا دیا۔ تحریک حرّیت پر اس قسم کا داغ مظلوم کشمیریوں کے خون سے بھی نہ دھل سکا۔ نہ دھلے گا۔

ریاست کے وہ لوگ جو تب سے اب تک اِن دو خاندانوں کی پیروی کرتے آئے ہیں۔ کبھی اپنی منزل نہ پائے اور نہ پا سکیں گے۔ کیونکہ انھوں نے جن اصحاب کو اپنی عقیدت کا محور سمجھا ہے اور جنھیں عزّت و احترام کا منبع سمجھ لیا ہے۔ وہ اس کے ہرگز مستحق نہیں تھے۔ نہیں ہیں۔

کشمیری عوام اپنی راہ سے کیوں بھٹک گئے۔ کشمیری عوام اپنی تمنائیں، آرزوئیں اور ارمان جو ملیا میٹ ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اس کا اہم سبب یہی ہے کہ انھوں نے ناخداؤں کو خدا سمجھ کر ان کی پوجا کی۔

کشمیری عوام جو ان دو خاندانوں کو تب سے اب تک برابر اپنا اعتماد دے رہے ہیں۔ وہ خود ہی اس اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ عقیدت کے یہ اندھے لوگ دوسروں کے لئے وبالِ جان بن رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ اور مولوی یوسف شاہ گلے ملنے اور ایک دوسرے کی مخالفت سے توبہ کرنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے دور دور رہے۔ جبکہ انھیں نزدیک لانے کی کتنی ہی کوششیں کی گئیں، دونوں مسلم کانفرنسیوں کو ملانے اور تنظیم میں اس پھوٹ کو دور کرنے کے لئے سید حسین جلالی نے مسلم کانفرنس اور آزاد مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کی دعوت کی۔

دعوت کھانے کے بعد جب بیشتر رہنما اور کارکن رخصت ہوئے تو باتوں باتوں میں "مسلم کانفرنس" کے اخبار کا مسئلہ اُٹھ گیا۔ مسلم کانفرنس کی تنظیم کے اخبار "صداقت" کے لئے حکومت نے نقدی نین ہزار روپے کی ضمانت مانگی تھی۔ غلام احمد عشائی نے پارٹی فنڈس سے یہ رقم واگزار

کرنے کے لئے کہا تو شیخ عبداللہ نے جواب دیا:

'پارٹی فنڈس میں اتنی رقم ہے نہیں۔ ہمارے پاس صرف تیرہ[۱۳] ہزار روپے تھے۔ وہ سب کے سب کانفرنس میں خرچ ہو گئے۔"

"وہ کس مد پر خرچ ہو گئے؟" احمد یار خان نے پوچھا تو شیخ صاحب ایک دم تڑپ اُٹھے اور بولے:

"آپ لوگ مجھ سے حساب کیوں مانگ رہے ہیں؟ میں نے کوئی مکان نہیں بنایا کوئی جائیداد نہیں خریدی۔"

شیخ صاحب کے اس طرح جواب دینے سے بعض حضرات ناراض ہو گئے اور نوبت تو تو میں میں پر پہنچ گئی۔ عشائی صاحب بڑے خشمناک ہو کر مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد اخبار "پاسبان" میں عشائی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا۔ جس میں انھوں نے شیخ عبداللہ پر نہ صرف تنظیم کے روپے غرد برد کرنے کا الزام لگایا بلکہ یہ بھی لکھا کہ شیخ صاحب کسی اصول کے آدمی نہیں اور نہ ہی وہ اتحاد المسلمین کے حامی ہیں۔ وہ صرف ڈکٹیٹرانہ طرز عمل اختیار کر کے اپنی لیڈری قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

اس واقعہ کے بارے میں پیر افضل مخدومی نے بھی اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔

پچھلے چند برسوں سے ریلیف اور چندہ کی رقومات ہڑپ کرنے کے بارے میں الزامات اور جوابی الزامات نے مسلم اتحاد میں جو پھوٹ ڈالدی تھی وہ عشائی صاحب کے مراسلے سے اور بڑھ گئی۔ چنانچہ آئندہ اس قسم کی باتیں نہ ہونے کے لئے صلاح مشورہ کیا گیا اور یہ فیصلہ لیا گیا کہ بعض مسلم رہنماؤں کو جن کی مالی حالت ٹھیک نہیں پارٹی فنڈس سے معاوضہ دیا جائے تاکہ انھیں دوسرا طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے۔

اخبار "صداقت" کے لئے احمد اللہ شہداد نے ایک ہزار، غلام احمد جوئیلر نے ایک ہزار، سید حسین جلالی نے پانچ سو روپے اور علی محمد وانی نے پانچ سو روپے دینے کا اقرار کر لیا۔ تاکہ اخبار جاری رہ سکے۔

اگلے ہفتے سے پارٹی کے لئے فنڈس مانگنے کے ساتھ ساتھ شیخ عبداللہ کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔ چندہ جمع کرنے کا یہ کام غلام احمد جوئیلر اور محمد یحییٰ رفیقی نے شروع کیا۔

۱۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کو احمد اللہ شہداد نے معززین شہر، سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو اپنے

ہاں مدعو کیا۔ انھیں ٹی پارٹی دی۔ اس ٹی پارٹی کے اختتام پر شہداد صاحب نے اعلان کیا کہ شیخ محمد عبداللہ مسلم کانفرنس کی صدارت چھوڑ کر یہاں سے کسی مسلم دیش میں ملازمت کرنے جائیں گے کیونکہ یہاں ان کا گزارہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ لوگ اُن کا یہاں رہنا چاہتے ہیں تو اس کے واسطے دس ہزار روپے جمع کرو۔ یہ دس ہزار روپے ہم کسی کاروبار میں لگائیں گے اور اس کا منافع شیخ عبداللہ کو دیں گے۔ تاکہ ان کے گزر بسر کا انتظام ہو سکے۔

یہ رقم جمع کرنے کا کام ابھی جاری تھا کہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۴ء کو شیخ عبداللہ نے خواجہ حبیب اللہ زرگر زینہ کدل کے ہاں دعوت کے دوران حاضرین مجلس کے سامنے فرمایا:

"میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔ بلکہ بیرسٹری کے لئے ولایت چلا جاؤں گا۔ وہیں میں اپنے گزارے کی سبیل کروں گا۔ یہاں میرا تین ہزار روپے کا قرضہ ہے جو میں اِدھر اُدھر کر کے وصول کروں گا اور پھر چلا جاؤں گا۔"

اس مجلس میں وہ لوگ بھی موجود تھے۔ جنھوں نے اُن کے لئے پچھلے کئی مہینوں سے خاصی رقم جمع کر کے اُنھیں دی تھی۔ جب شیخ صاحب کے لئے خواجہ حبیب اللہ زرگر کے ہاں پھر چندہ مانگا گیا تو مہدہ ٹنکی، علیم الدین، محی الدین کاؤسہ، غلام نبی ہمدانی اور عبدالخالق پرے نے اسے بلیک میلنگ کہا اور چندہ دینے سے صاف انکار کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی شیخ عبداللہ کی اس دھمکی کو سیاسی سودے بازی کہا۔ ایک کھلبلی سی مچ گئی۔

کئی لوگوں نے چندہ دیا اور اکثر لوگ اس کے بغیر ہی اُٹھ کر چلے گئے۔

کئی حلقوں میں اس بلیک میلنگ اور سودے بازی کا چرچا رہا۔

۵ دسمبر کو شیخ صاحب نے اپنا یہ مطالبہ پھر دہرایا کہ:

"میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میں انگلستان جا کر بیرسٹری کروں گا۔ میں علی گڑھ والوں کی امداد کا انتظار کر رہا ہوں وہ امداد آئی تو چلا جاؤں گا۔"

شیخ عبداللہ کے اس مکرّر اعلان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیری قوم کو ڈوگرہ راج کے ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لئے اس مظلوم قوم کی رہنمائی نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ ایک 'بنیے' بن کر سیاسی دُکان چلا رہے تھے اور کشمیری مظلومین کے مطالبات اپنی دُکان پر سجا کر وہ انھیں سستے میں بیچنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا چاہتے تھے، اور جب ان پر منافع خوری کا الزام لگ جاتا تو وہ یہ دُکانداری چھوڑ کر ولایت جانے کی دھمکی

دے رہے تھے۔

شیخ صاحب کی اس دھمکی کو سُن کر صدر الدین کشو ساکنہ فتح کدل نے ان سے مخاطب ہوکر کہا۔

"شیخ صاحب! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس سے کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس اس تمام رقم کا حساب موجود ہے جو آپ کو مرزائیوں سے ملی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں آپ کو حساب کی یہ رجسٹری دکھاؤں گا۔"

حساب کی رجسٹری کے انکشاف نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈالدیا۔ چنانچہ غلام نبی گلکار کے اصرار پر فیصلہ ہوا کہ کل صبح نو بجے اس رجسٹر کو مجلس میں پیش کیا جائے۔ احمد اللہ شہداد کے گھر پر مجلس کا پروگرام رکھا گیا۔

وقتِ مقرر پر صدر الدین کشو جب حساب کا رجسٹر لے کر آئے تو اس میں ۳۳ ہزار کا حساب تفصیلات کے ساتھ درج تھا۔ رجسٹر میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ مقدمات کی پیروی کے سلسلے میں جو وکلاء کشمیر بھیجے گئے۔ اُن کا خرچہ اور شیخ عبداللہ کے لئے موٹر کی رقم اس کے علاوہ ہے۔ موٹر کی رقم وصول کرنے کے باوجود ابھی تک موٹر نہیں خریدی گئی تھی۔ رجسٹر میں کشمیر کے لئے ماہانہ خرچہ جو تین ہزار سے چار ہزار تک "کشمیر کمیٹی" ہر ماہ ادا کرتی تھی۔ اس کو پورا کرنے کے لئے غیر احمدیوں سے ۷ ہزار روپے حاصل کرنے اور ۸ ہزار روپے بطور قرضہ حاصل کرنے کا بھی ذکر تھا۔

حاضرین کے سامنے یہ تمام حساب وکتاب رکھ دیا گیا تو کم از کم ہر ایک کی بولتی بند ہوگئی۔

شیخ محمد اکبر نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"ہمیں احراریوں اور مسلم لیگیوں کا بھی حساب دیکھنا چاہیئے اگر وہ کسی کے پاس ہے۔ تو پیش کریں۔"

غلام نبی گلکار اور محمد ایوب نے میر پور کے دورے کی تفصیلات بتاتے ہوئے اس بات کے لئے شرمندگی کا اظہار کیا کہ ہم جہاں جہاں بھی گئے ہم سے فنڈس کا حساب مانگا گیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ہمیں ریلیف کا حساب دینے میں کیا دشواری ہے۔ یہ حساب نہ صرف ہم سے میر پور میں مانگا گیا بلکہ مظفر آباد والے بھی مانگ رہے ہیں۔ یہاں سوپور، بارہمولہ اور اسلام آباد سے بھی ریلیف کی رقومات کا حساب مانگا جارہا ہے۔"

اس موقع پر بخشی غلام محمد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"ورکنگ کمیٹی اس حساب کی اشاعت مناسب نہیں سمجھتی، اگر کانگریس حساب نہیں مانگ رہی ہے تو یہ لوگ کیوں مانگ رہے ہیں؟"

بخشی صاحب کے اس انکشاف سے کانگریس کی طرف سے رقومات آنے کا افشا ہوا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ سعد الدین شال، قاضی عبدالغنی دلنہ، پیر ضیاء الدین، سید محمد امین، منشی شہاب الدین اور شیخ محمد اکبر نے کانگریس سے رقومات وصول کرنے پر سخت اعتراض کیا اور تنظیم کو اس بات سے پوشیدہ رکھنے پر ان رہنماؤں کی سخت نکتہ چینی کی گئی۔

غلام نبی گلکار نے پوچھا اگر مرزائیوں سے ہم نے ۳۳ ہزار وصول کرلئے تو اس میں سے کانفرنس پر صرف ۱۳ ہزار خرچ ہوئے، حالانکہ شیخ صاحب نے "کشمیر کمیٹی" کے صدر کو صرف ۸ ہزار کا حساب دیا ہے۔ مجلس احرار، مسلم لیگ اور کانگریس کا حساب ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ یہ ساری رقومات گئی کہاں؟"

دیر تک ہنگامہ آرائی کے بعد یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ اگلی میٹنگ میں مسلم کانفرنس جیسی عظیم تنظیم چلانے کے لئے دوسرے لوازمات کے علاوہ مالی امداد کا معاملہ زیر غور آیا۔ اس کیلئے طریقہ کار یہ مرتب کیا گیا کہ جن جلسوں میں مسلم قائدین تقریر کریں گے۔ وہاں نقد وجنس جمع کیا جائے گا اور جو کچھ حاصل ہوگا۔ ان مبلغات کو محمد یحییٰ رفیقی کے سپرد کیا جائے اور مالیاتی کمیٹی کی منظوری کے بعد اخراجات کئے جائیں۔ شیخ صاحب روپے زیورات وغیرہ جمع تو کرسکتے ہیں مگر ان کو ایک کوڑی تک خرچ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس مالیاتی کمیٹی میں خواجہ سعد الدین شال، خواجہ غلام احمد عشائی اور مولانا یوسف شاہ وغیرہ ممبر مقرر ہوئے۔ محاسب میر علی شاہ، اور خزانچی محمد یحییٰ رفیقی بنائے گئے۔

اس فیصلے کے باوجود شیخ صاحب جلسوں میں جو چندہ جمع کرتے تھے اُس کو مالیاتی کمیٹی میں جمع نہیں کرتے تھے۔ کمیٹی انتظار کرتی رہی اور شیخ صاحب چندہ جمع کرتے رہے۔ جب رقومات ہزاروں تک جمع ہوگئے تو ان سے رقومات پیش کرنے کا تقاضا کیا گیا۔ انھوں نے اپنے پاس کوئی رقم ہونے سے صاف انکار کیا۔ اس پر مالیاتی کمیٹی سخت برہم ہوئی۔ شیخ صاحب پر بدنظمی، غبن اور بددیانتی کے الزامات عاید کئے گئے۔ یہاں تک شہر میں جگہ جگہ اس کا چرچا ہوا۔ آخر اس بددیانتی اور غبن کی تحقیقات کے لئے سعد الدین شال کے گھر واقع خانیار میں ایک میٹنگ بلائی

گئی۔ اس میٹنگ میں چندہ کمیٹی کے علاوہ اور بھی کئی سرکردہ حضرات میر مقبول گیلانی، سید عبس جلالی، غلام نبی گلکار اور بخشی غلام محمد کے ساتھ شیخ عبداللہ بھی موجود تھے۔ شیخ عبداللہ سے جواب طلبی کی گئی اور پوچھا گیا کہ آپ نے جو چندہ جمع کیا۔ وہ کمیٹی کے سامنے پیش کیوں نہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ میں نے کوئی خیانت نہیں کی بلکہ میں نے اس رقم سے احراری مہمانوں کے اخراجات پورے کئے اُن کے کھانے پینے، رہائش اور سفر خرچ وغیرہ میں نے اسی رقم سے کیا۔

سعدالدین شال نے کہا۔ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ احراری لیڈر ہم کو نہ صرف چندہ دیتے ہیں بلکہ اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہیں۔ مولوی یحییٰ رفیقی نے کہا۔ ہم جاکر اُن سے پوچھ لیں گے۔ اس پر سخت لے دے ہوئی۔ مولوی یحییٰ رفیقی مشتعل ہوکر شیخ صاحب کے خلاف غلیظ زبان استعمال کی، جب شیخ صاحب کی حالت قابلِ رحم ہوگئی تو فیصلہ ہوا۔ آئندہ شیخ صاحب کو ضروری اخراجات کے لئے رقومات خرچ کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے تاکہ انھیں دوسرا طریقہ اختیار کرنا نہ پڑے اور بار بار خفت نہ اٹھانی پڑے۔

۶ نومبر ۱۹۳۳ء میں مجاہد منزل کی بنیاد ڈالی گئی۔ ابتدا میں اس کے لئے ۱۶ سو روپے جمع ہوئے۔ پتھر اور بھٹہ کے ٹھیکیداروں نے اینٹ اور پتھر سپلائی کرنے کا وعدہ کیا۔ سنگِ بنیاد خود شیخ عبداللہ نے رکھا۔ مسلم کانفرنس کے سرکردہ ارکان اس موقع پر موجود تھے۔ مجاہد منزل کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء سے فراہی چندہ کی اسکیم شروع کی گئی بخشی غلام محمدؒ کی معیت میں کئی ارکان محلہ وار گھر گھر جاکر چندہ جمع کرتے رہے۔ اس چندہ مہم میں جب غبن کے سائے منڈلانے لگے تو غلام نبی گلکار اور محمد ایوب صابر نے اشتہارات کے ذریعے غبن کرنے والوں کو خبردار کیا۔

شیخ محمد عبداللہ غلام نبی گلکار اور محمد ایوب صابر پر سخت برہم ہوئے اور ان کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا۔ ان پر فتنہ جگانے کا الزام لگاکر غلام نبی گلکار سے معافی نامہ طلب کیا گیا۔

مسلم کانفرنس نے ۱۹۳۶ء میں بیت المال قائم کیا۔ اس کے اخراجات محمد یحییٰ رفیقی، سیّد محمد مقبول بیہقی، سیّد محی الدین اندرابی، صدرالدین بچھ، عبدالغنی ترالی تھے۔ اس بیت المال کے حساب و کتاب پر احمد علی، منشی نصیرالدین اور غلام محمد بچھ مامور تھے۔ مفصلات میں دیگر افراد اس کام پر مامور تھے۔ ان کی نگرانی صدرالدین بچھ (مجاہد) اور عبدالغنی ترالی کر رہے تھے۔ شہر سرینگر میں جو شالی چاول وغیرہ اجناس بطور امداد جمع کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے خواجہ غلام رسول

زاری، حبیب اللہ دیدہ مری اور غلام محمد بھاگھور نگران تھے۔ شالی چاول، مکی وغیرہ جو مفصلات لائی جاتی تھی اسے مجاہد منزل کے صحن میں جمع کیا جاتا تھا بعد میں اسے فروخت کے مصارف پورے کئے جاتے تھے۔ اکثر حالات میں رات کی تاریکی میں شالی اور چاول کی بوریاں غائب ہوجاتی تھیں۔ ایک بار جب کافی تعداد میں بوریاں غائب پائی گئیں تو مفتی ضیاالدین نے فرمایا۔ "زنگ نرا بنگ دُز"

جب ان سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔
"شالی اور چاول کے تھیلے گھسیٹ کر اپنے مقام پر پہنچائے گئے۔"

اس چوری، خورد برد اور غبن پر جنگ زرگری شروع ہوگئی اور الزامات عائد کئے گئے یہ قومی سرمایہ کی سراسر خیانت ہے۔ اس خیانت پر پوسٹر بازی شروع ہوئی اس سلسلے میں غلام گلکار کی طرف سے ایک بڑا پوسٹر شائع کیا گیا۔ جس میں ریلیف کی رقومات کی تحقیقات اور خرد برد جانچ کا مطالبہ کرنے کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کو مورد الزام گردانا گیا۔ مولوی عبداللہ وکیل نے اس میں تحقیقات اور جانچ پڑتال کا مطالبہ دہرایا۔

غلام نبی گلکار اور مولوی عبداللہ وکیل کے ان الزامات سے شیخ محمد عبداللہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوئے اور انھوں نے تنظیم سے احمدیوں کو نکالنے کا پرچار کیا۔

عوامی اجتماعات میں احمدیوں سے شکایت کی کہ ہم نے ان کے لئے پتھر کھائے۔ مولوی یوسف شاہ اور احراریوں کی ناراضگی مول لی۔ مگر یہ اپنی اوقات پر آئے۔ شیخ صاحب اور ان کے حامیوں کی احمدیوں کے ساتھ باضابطہ لڑائی شروع ہوگئی۔

اس طرح جب مسلم کانفرنس تین حصوں میں بٹ گئی۔ کئی اصحاب نے درمیان داری کر کے ان کی صلح کرانے کی کوشش کی۔ اس بارے میں پروفیسر علیم الدین سالک نے اہم رول ادا کیا اور ان نے دونوں طرف کے رہنماؤں کو ایک جگہ جمع کر کے اختلافات اور الزامات پر تبادلہ خیالات کو کہا۔ چنانچہ علیم الدین نے گندن گر کے ہاں مجلس رہی

شیخ صاحب بذات خود اس مجلس میں شریک نہ ہوئے۔ البتہ ان کی طرف سے بخشی غلام محمد بارخان، غلام احمد جیلر اور دوسرے شامل ہوئے۔ احمدیوں کی طرف سے مولانا عبداللہ وکیل غلام نبی گلکار اور محمد ایوب صابر پیش ہوئے۔

دونوں طرف کے الزامات جن میں کرپشن، دھاندلی، غبن، خیانت، تفرقہ اور ڈسپلن شکنی

شامل تھی۔ الزامات سُننے اور ان پر اپنا فیصلہ دینے کا دونوں جماعتوں نے علیم الدین سالک پروفیسر مُسلم کالج لاہور کو اختیار دے دیا۔

کُندن گر کے گھر میں پورے اٹھارہ گھنٹے تک سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا۔ الزامات اور ان کے ثبوت پیش کئے گئے۔

پروفیسر علیم الدین نے دونوں طرف کے بیانات سُننے کے بعد پبلک اجتماع میں اپنا فیصلہ سُنانے کو کہا تو اس کے لئے پتھر مسجد کا احاطہ مقرر ہوا۔

حسبِ پروگرام جب پروفیسر علیم الدین نے پبلک اجتماع میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے چند حواریوں پر فردِ جُرم عائد کیا تو کئی لوگوں نے شور مچا کر سالک صاحب کی ہوٹنگ کی اور انھیں گالیاں دیں۔ قبل اس کے کہ ان پر حملہ کیا جاتا وہ اسٹیج چھوڑ کر چلے گئے۔ پروفیسر علیم الدین سالک پر حملہ اور پارٹی فنڈس میں غبن کا چرچا ہونے لگا۔ قبل اس کے کہ یہ کوئی شدید صورت اختیار کر لیتی ایک پنڈت لیڈر شیو نرائن فوطیدار نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی شان میں گُستاخی کر کے فسادات کے ڈھیر میں تیلی جلا کر ڈالدی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندو مسلم فساد بھڑک اُٹھا۔ فسادات نے شہر اور دیہات میں خطرناک صورت اختیار کر لی۔ کئی مُسلم اور غیر مُسلم رہنماؤں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے فسادات کو روکنے کے لئے عملی کاروائی شروع کی۔ شیخ عبداللہ بے زار بیٹھے تھے۔ جبکہ دوسرے مسلم رہنماؤں نے ایک ساتھ مِل کر شورش کو نہ صرف دبایا۔ بلکہ اسے پھیلنے سے روک بھی دیا۔



شری شیو نرائن فوطیدار

لیکن مولوی یوسف شاہ اس فتنے کے خلاف ڈٹ کر رہے۔ مولوی یوسف شاہ نے شیو نرائن فوطیدار اور اُن کے باپ کو وقت بے وقت ایسے فتنے جگانے کا الزام لگا کر ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔

کشمیر کی "تحریک حریت" میں "ہندو مسلم"۔ "شیر اور بکرا" "ژیکہ اور کوٹہ" جیسے فسادات کے جراثیم کے ساتھ ساتھ کرپشن، غبن اور لوٹ کھسوٹ کے جو کیڑے داخل ہوئے اس نے اس تحریک کو یقیناً کھوکھلا بنا کر رکھدیا۔

ان حالات میں اس تحریک کا جو حشر ہو رہا تھا۔ وہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

مسلم رہنماؤں کا فتنہ فساد اور قومی امانت کو مال غنیمت جان کر اسے لوٹنا، سیاست کو نفع ونقصان کی ترازو میں تولنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ریاست کے لوگوں نے جن کے ہاتھ میں اپنی تقدیر دے دی تھی وہ ہرگز پُر خلوص نہیں تھے۔

لوگ جنھیں رہبر سمجھ رہے تھے۔ وہ ان کے لئے رہزنی کر رہے تھے۔

غلام نبی گلکار نے اس سلسلے میں جو بذریعہ پوسٹر کُھلا خط اس سلسلے میں شیخ صاحب کو بھیجا وہ آج بھی "صداقت" اخبار میں موجود ہے۔

اِس خط کا متن ذیل میں درج ہے:-

فتح کدل

مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۸ء

مکرم — شیخ عبداللہ صاحب —— السلام علیکم رحمتہ اللہ!

خداوند تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور اس قوم کو آپ کی رہبری میں ڈوگرہ شاہی سے نجات ملے، جیسا کہ ہم اُمید کرتے ہیں۔ پچھلے کئی روز کے تعلقات سے مجھے محسوس ہو رہا ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ میں آپ سے اِس ناراضگی کی وجہ پوچھوں مگر آپ نے موقع نہیں دیا۔ لگتا ہے آپ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں یا میرے منافقین نے آپ کے کان میں کچھ ایسی باتیں کہدی ہیں جن سے آپ مجھ پر ناراض ہو گئے ہیں۔ جہاں تک پارٹی میں انتشار پیدا کرنے کا سوال ہے میری نظر میں اِس کے ذمہ دار آپ ہیں۔ اس لئے کہ پارٹی رقومات آپ ہضم کرتے ہیں۔ اِس وجہ سے کارکنوں میں بدظنی پیدا ہو گئی ہے۔ مُسلم اتحاد میں جو دراڑ پیدا کرنے کا الزام مجھ پر عاید کیا گیا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں، یہ سب کس نے کیا، میں اس سلسلے میں مولوی عبداللہ صاحب سے بھی ملا اور اُن کو تمام حالات سُنائے، اُن کا بھی یہی کہنا ہے۔ شیخ صاحب کا فرض تھا پہلے اس بارے میں تحقیقات کراتے پھر غصہ ہوتے، بہرحال آپ نے مجھے موقع دیا تو میں کارکنوں کی ناراضگی اور اتحاد میں

دراڑ پیدا ہونے کے اسباب واضح کرسکتا ہوں اب بھی میں مسلم اتحاد کے لئے اپنی جان پیش کرسکتا ہوں ——————— خدا حافظ

آپ کا بہی خواہ - غلام نبی گلکار -

اِس خط کی اشاعت کے بعد سعدالدین شال شیخ عبداللہ پر برس پڑے۔ ایک میٹنگ کے دوران انھوں نے شیخ عبداللہ پر کئی شدید الزامات عاید کئے، ان الزامات نے شیخ عبداللہ کو سخت پریشان کردیا اور انھوں نے جاکر یہ زہر حکومت کے خلاف چھانٹ دیا۔

حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کے اس طریقہ کار کی سخت نوٹس لی، انہیں گرفتار کرکے زیرِ عتاب لانے کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ شیخ محمد عبداللہ اور مولوی محمد یوسف شاہ کے درمیان سردِ جنگ کا بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے۔

چنانچہ راجہ ہری کرشن کول نے ایک کے بعد ایک وفد مولوی محمد یوسف شاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس دائرے سے باہر آسکے، جو بقول ان کے چند سرپھرے غنڈوں کا تھا۔

اس سلسلے میں راجہ ہری کرشن کول کی طرف سے اسداللہ وکیل اور مامہ بقال نے اہم رول ادا کیا۔ ان دونوں اصحاب نے راجہ ہری کرشن کول اور مولوی محمد یوسف شاہ کے درمیان پیامبر کا کام کیا، بات چیت مکمل ہونے کے بعد۔

راجہ ہری کرشن کول نے انھیں مہاراجہ کی طرف سے خلعتِ شاہی اور جاگیر دینے کا مژدہ سُنایا اور اس کے بدلے میں مہاراجہ کی وفاداری قبول کرنے کا اقرار وصول کرلیا۔

۷/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو دسہرہ کی تقریب کے سلسلے میں مولوی یوسف شاہ نے مُعزّز شہریوں کی طرف سے مہاراجہ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

یہ سپاسنامہ میر واعظ مولوی یوسف شاہ نے شیر گڈھی کے اس اسٹیج پر خود ہی پڑھ کر سُنایا۔ جو دسہرہ کی تقریب کے لئے سجایا گیا تھا۔

سپاسنامہ کا متن حسبِ ذیل ہے :-

" سری سرکار والا مدار"

ہم حضور کی ذاتِ اقدس کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم سب فرداً فرداً اجتماعاً بلاتمیز مذہب وملت اپنی روایتی وفاداری میں ثابت قدم ہیں اور انگلستان سے جہاں سے آپ حضور شہنشاہ معظم کی سلور جوبلی تقریبِ سعید میں خاص طور پر مدعو فرمائے گئے تھے چھ ماہ کی طویل مفارقت کے بعد مع الخیر مراجعت فرمائے وطن پر دلی خیر مقدم وقلبی تہنیت پیش کرنے کی عزّت حاصل کرتے ہیں۔

حضور والا کی وفادار رعایا..... نمائندگی کا خوشگوار فرض ہم جاں نثار..... والا صفات اس موقعہ پر ادا کررہے ہیں، بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ قادرِ مطلق حضور کا ظلِ عاطفت حکمرانی کرنے اور اپنی مملکت کی نیک نامی اور شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے ہمارے سروں پر دائم وقایم رہے تاکہ ملک کشمیر کی عظمت دیرینہ کی .... پھر ایکبار تازہ ہوجائے اور تمناؤں کے جن کے متعلق حضور والا کی پیاری رعیت باقی مہذب دُنیا کے ساتھ ہمنوا ہے پورا ہونے میں رہنمائی فرمادیں۔

حضورِ والا کے عہد معدلت میں کئی اہم اصلاحات کا نفاذ ہوچکا ہے۔ جن پر اگر اصلی مفہوم کے مطابق کام کیا جائے تو ریاست کی روز افزوں ترقی یقینی ہے۔ ہم کو یقین واثق ہے کہ حضور والا کے فیاضانہ عہد میں ہم عنقریب وہ منظم ترقی حاصل کرسکیں گے جو ترقی یافتہ قوموں کی مطمح نظر بنی ہوئی ہے۔

بالآخر ہم مودبانہ گزارش کرتے ہیں

کہ حضور والا کی ذاتِ مبارک ہی ہے جس نے ہم کو حضور کے تاج وتخت اور خاندانِ شاہی کے ساتھ وفاداری وعقیدت کے رابطہ مستحکمہ میں منسلک کررکھا ہے اور ہم حضورِ والا سے التجا کرتے ہیں کہ ان چند الفاظ کو باظہار ہماری عقیدت وشکر گزاری کے شرفِ قبولیت بخشا جائے۔

ہم ہیں حضور کے وفاداران قدیمی

مولانا محمد یوسف میر واعظ، پنڈت بشمبر ناتھ رازدان، مفتی شریف الدین مفتی اعظم، مولوی محمد جواد مفتی اہل تشیعہ، جنرل ٹھاکر جنگ سنگھ، آغا سید حسین خان، دیوان بشندداس، سمندر خان سردار بہادر، مرزا حاجی غلام مصطفےٰ، پنڈت رام چند دوبے میر احمد سعید اندرابی، سید رسول شاہ جلالی، آغا شیر علی، کرنل سنسار سنگھ،

پنڈت امر چند مُنشی، مولوی محمود شاہ، عبدالرحیم بانڈے، خواجہ احمد شاہ نقشبندی، چودھری چتر سنگھ، پنڈت نریندر ناتھ، منشی اسد اللہ ایڈووکیٹ، مولوی محی الدین مفتی جامعی، کرنل شیر علی خان، کرنل اُومکار سنگھ، پنڈت تارا چند ترسل، سید غلام علی شاہ، علام نبی شال مرچنٹ، حاجی نورالدین شال مرچنٹ، پنڈت جیالال کلم، پنڈت نند لال کول، سردار ہری سنگھ، حاجی محمد رمضان، غلام نبی شاہ، عبدالعزیز پنڈت، پنڈت امر ناتھ کاک، غلام محی الدین کاؤسہ، خواجہ صفدر علی، سردار بل سنگھ وزیر گنگارام، سردار کنہیا سنگھ، بخشی موتی رام، حاجی غلام حسن خاں، حاجی عبدل احد ڈار، عبدالعزیز قاضی، سیف الدین شال مرچنٹ، میاں حسام الدین، بھگت کرم چند پنڈت شیو نرائن فوطیدار، خواجہ عبدلاحد فاروقی، دیوان رام ناتھ پنڈت آنند کول بامزئی، خضر محمد سلور سمتھ، غلام رسول قاضی، عبدالعزیز منٹو، عبدالسلام کاچرو، پنڈت کیشپ بندھو، سردار ہرنام سنگھ ذیلدار، غلام نبی منٹو، حبیب اللہ زرگر، منشی غلام محمد، غلام محمد خان، لالہ امر ناتھ کوہلی، پیر حفیظ اللہ مخدومی (والد پیر افضل مخدومی) خواجہ ثناء اللہ ذیلدار، سیف الدین شاہ، عبدالعلی کندن گر، احمد اللہ نقاش، غلام محی الدین شال، محمد سبحان زرگر، لالہ ہنس راج، پنڈت سری کنٹھ فوطیدار، غلام احمد مکایا، حاجی محمد شاہ عشائی، قمرالدین قاؤسہ، ڈاکٹر دیوہ کول، ملّا عظیم ٹھیکیدار، عبداللہ تاجر، حاجی مامہ کلو، ڈاکٹر متوہر ناتھ بھان، حکیم محمد عبداللہ، حافظ فیروزالدین، ڈاکٹر شمبھو ناتھ پشن، جعفر میر ذیلدار، مولوی محمد شاہ، مفتی سعادت، پنڈت سروانند شاعر، خان زردار خان، کرنل رحیم خان، سید عبداللہ شاہ، پنڈت شیام لال صراف، سیٹھ پسٹن جی، دیوان موہن ناتھ مون، خواجہ صفدر علی، خواجہ اسد اللہ پنجابی، ڈاکٹر جسونت سنگھ، خواجہ محی الدین دراب، مولوی محی الدین قریشی، عبداللہ خان پارمو، احمد اللہ حافظ، حکیم مقبول شاہ، اکرم کھانڈے، محمد عثمان تبل، حسن جوزرو، سری کنٹھ چکو، سعد اللہ گنائی، غلام مصطفےٰ ملک، حسین شاہ زیرک، عبدالسلام خاں، حکیم حافظ غلام محمد، سربند شاہ، محمد جواد ملک، سید عطا اللہ شاہ، پنڈت جانکی ناتھ کول وغیرہ۔

اسی مجلس میں میرواعظ مولوی یوسف شاہ کو چھ سو روپے کا وظیفہ مقرر ہوا اور

جاگیر عطا ہوئی۔

مہاراجہ بہادر کی موجودگی میں پرائم منسٹر نے اعلان کیا کہ:

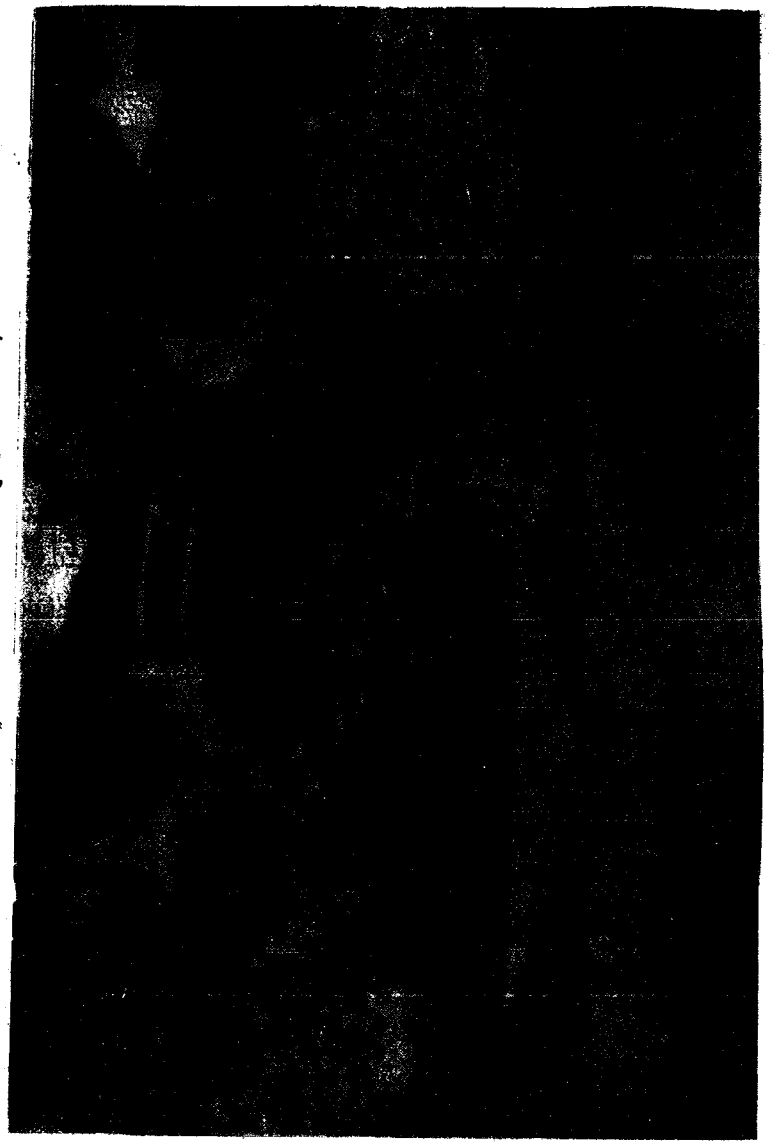
"حضور مہاراجہ بہادر از راہِ عنایت خسروانہ میرواعظ محمد یوسف سرینگر کو اُن کی وفادارانہ خدمات کے پیشِ نظر سالانہ چھ سو روپے کا وظیفہ مقرر کرتی ہے اور انھیں جاگیر عطا کرتی ہے۔ حضورِ عالی اپنے وفادار عوام کی عزّت و آبرو کو برقرار رکھنے اور ترقی و وفادارانہ جذبات کے خواہشمند ہیں۔"

حکومت نے مولوی یوسف شاہ کے نام وظیفہ اور جاگیر مقرر کرنے کا اعلان کیا تو شیخ عبداللہ نے اسے خوب اچھالا، مولوی یوسف شاہ نے شیخ عبداللہ پر پارٹی فنڈ میں غبن کرنے کا الزام لگایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک حرّیت میں معاوضہ، وظیفہ، چندہ اور ریلیف جو بیک وقت کانگریس، مسلم لیگ، سرکار انگلشیہ، ڈوگرہ راج، مجلس احرار اور جماعت احمدیہ کے ساتھ بیرون ممالک کی برگزیدہ ہستیوں کی جانب سے مسلم کانفرنس کو مل رہا تھا اسے مال غنیمت سمجھ کر لوٹا جا رہا تھا۔ اصل میں اسی مالِ غنیمت کی بندر بانٹ نے دوستی دشمنی میں بدل دی۔

یہ بات قابلِ تحسین ہے کہ ریاست کے مسلم اتحاد میں جموّں گروپ کے ساتھ سردار ابراہیم خاں سردار عبدالقیوم خاں، کے۔ ایچ۔ خورشید، صوفی عالم دین، آغا شبر نواب، سردار خادم حسین، محمد رفیق مرزا، محمد طاہر رفیقی، سردار فیض علی، سید حسن نقوی اور محترمہ سیدہ خانم تحریک حریت میں اپنا تن من اور دھن وقف رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ مولوی عبداللہ وکیل اور اُن کا گھرانا، منشی شہاب الدین غلام نبی گلکار، سید حسین جلالی، سعدالدین شال، مفتی ضیاء الدین، مولانا مسعودی محمد یوسف صراف، میر عبدالعزیز، محمد یوسف علیگ، صوفی محمد اکبر، عبدالغنی نرالی اور غلام محمد صادق پر پارٹی فنڈس میں ایک روپیہ پیسہ کھانے کا الزام نہیں لگ سکا۔

صرف دس دن بعد یعنی ۱۷ اکتوبر کو حکومت کی طرف سے ایک فرمان جاری ہوا جس کے مطابق مولوی یوسف شاہ اور ان کی پارٹی پر ٹیکس کی ادائیگی میں چھوٹ دی گئی۔ یہ اعلان ہونا ہی تھا کہ بیشتر سرمایہ دار کارخانہ دار اور دیگر کاروباری اشخاص اپنے آپ کو یوسف شاہی جتانے میں پیش پیش رہے۔ کل تک جو لوگ شیخ عبداللہ کے دائیں اور بائیں بازو سمجھے جاتے تھے۔ آج مولوی صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پیچھے دوڑنے لگے۔



لیڈران قوم عوام سے خطاب کر رہے ہیں اور عوام بغور سن رہے ہیں

درس اوروں کو بدلنے کا سبھی دیتے ہیں
اپنا دستور کوئی شخص بدلتا ہی نہیں

اسمبلی کے لیئے انتخابات

مارچ ۱۹۳۳ء میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے مطالبہ پر حکومت نے اسمبلی کے لئے ضمنی قواعد کی تیاری سے متعلق وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے دسمبر ۱۹۳۳ء میں ایک آفیشل کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ بے حد مایوس کن تھی۔ اس کے خلاف سیالکوٹ میں مجلسِ عاملہ کا اجلاس فروری ۱۹۳۴ء میں منعقد ہوا۔

مسلم آبادی کے تناسب پر ایوان اسمبلی کی نشستوں پر اختلافات پیدا ہو گیا۔ تمام ممبران اسمبلی انتخابات کے بائیکاٹ اور اس کے خلاف تحریک چلانے کے حق میں تھے۔ اِس سلسلے میں شیخ عبداللہ حکومت کے آلہ کار بن گئے۔ وزیر اعظم کے ساتھ ان کی خفیہ ملاقاتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انھوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے اور اس کے خلاف تحریک چلانے کی مخالفت کی اجلاس نے، شیخ عبداللہ کی دلیل مسترد کی اور اتفاق رائے سے تحریک چلانے کے لئے چوہدری غلام عباس خان کو ڈکٹیٹر نامزد کیا گیا تاکہ وہ گرفتاری دے کر تحریک کا آغاز کریں۔

اجلاس کے متفقہ فیصلہ کو شیخ عبداللہ نے تعاون دینے سے صاف انکار کیا اور وہ روٹھ کر لاہور چلے گئے۔ ان کے اس طرح چلے جانے سے نہ صرف تحریک کو زک پہنچا بلکہ جماعت کے لئے اُن کا روٹھنا مُضر ثابت ہوا۔

چوہدری غلام عباس خاں اور اللہ رکھا ساغر کے ساتھ چند لیڈر گرفتاری کے لئے پیش ہوئے اور اُنھیں اودھمپور جیل میں محبوس کیا گیا۔ ان کے بعد بے شمار کارکن نظر بند کئے گئے۔

تنظیم کے سرگرم ارکان کے منظرِ عام سے ہٹ جانے کے بعد شیخ عبداللہ لاہور سے واپس آئے تو انھوں نے وزیر اعظم سے دوبارہ ملاقات کی اور اس کے بعد وہ اودھم پور روانہ ہو گئے۔

جہاں انھوں نے چوہدری غلام عباس خان سے مل کر انھیں اسمبلی انتخابات میں تعاون دینے کی اپیل کی، چوہدری صاحب نے اس کو تنظیم کے فیصلے کے خلاف کاروائی کہہ کر ان کی اپیل نامنظور کی۔ شیخ صاحب واپس سرینگر آئے تو انھوں نے تنظیم کے فیصلے کی پرواہ کئے بغیر چناؤ میں حصّہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس کے لئے انھوں نے بیشتر رہنماؤں کو راضی کر لیا۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ :

"مسلمانوں کو اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسمبلی کے انتخابات میں حصّہ لینا چاہیئے تاکہ وہ مجوزہ اسمبلی کی تشکیل آئین یا اختیارات سے مطمئن ہوں یا نہیں۔ اس طرح سے جو فوری فائدہ ریاستی باشندوں کو ہوگا وہ یہی ہے کہ حکومت پر واضح ہو جائے کہ مسلم کانفرنس کو ریاست میں کیا حیثیت ہے اور اُن فرقہ پرستوں پر یہ راز افشا ہو جائے گا جو یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کی جماعت مخصوص غنڈوں کی ٹولی ہے۔ ان تمام سازشوں اور الزامات کا واحد علاج انتخابات لڑکر اور اپنے نمائندے چُن کر اسمبلی میں بھیجنے میں مضمر ہے"

چنانچہ الیکشن میں شریک ہونے کا فیصلہ ہوتے ہی حکومت سے کہا گیا کہ ہم پُر امن ماحول میں انتخابات لڑنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

حکومت کی طرف سے یقین دہانیوں کے باوجود سیاسی قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا۔

ماہ جون میں جبکہ کاغذات نامزدگی داخل کرنے میں صرف چند دن باقی رہ گئے تھے حکومت نے گرفتار شدگان کو رہا کرنے سے صاف انکار کیا۔ ایک ہنگامی میٹنگ میں الیکشن لڑنے یا نہ لڑنے پر غور و خوض کیا گیا۔ چونکہ شیخ صاحب اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ لہٰذا تمام پارٹی ورکروں کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی کہ وہ انتخابات کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اس بات کی بالکل کوئی پروا نہ کریں کہ قابل اشخاص دستیاب ہوتے ہیں کہ نہیں۔ اس طرح مسلم کانفرنس نے اسمبلی کے پہلے نجر باتی دور میں شامل ہونے کی ٹھان لی، کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد انتخابی مہم تیز کرنے کے لئے سرینگر دیہات اور قصبہ جات میں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔

آزاد مسلم کانفرنس نے شہر سرینگر کی پانچ نشستوں کے لئے اپنے اُمیدوار کھڑے کئے جن کی وجہ سے شہر سرینگر انتخابی دنگل کی آماجگاہ بن گیا۔

ڈوگرہ مخالف گروپوں کے انتخابی جوش جنوں نے "شیر بکرا" فسادات کی صورت اختیار کر لی۔ لوٹ مار اور دنگا فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلم کانفرنس اور آزاد مسلم کانفرنس کے دونوں گروپ ایک دوسرے کے ورکروں کو توڑنے کے لئے ڈورے ڈالنے لگے۔ کبھی وہاں سے

ورکر یہاں آجاتے اور کبھی ادھر سے ورکر اُدھر چلے جاتے۔

پولنگ کے لئے ۴ ستمبر کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔

مسلم کانفرنس نے سرینگر کے حلقوں کے لئے مولوی عبد اللہ وکیل، سید حسین جلالی، خواجہ علی محمد، احمد اللہ شہداد اور خواجہ غلام محمد صادق آزاد مسلم کانفرنس کے امیدواروں کا مقابلہ کرنے کے لئے نامزد کئے۔ آزاد مسلم کانفرنس کے ممبران میں خواجہ سعد الدین شال، مولوی محمد امین، مولانا مبارکی، منشی غلام محمد اور عبد السلام دلال شامل تھے۔

سرینگر کے علاوہ جو مفصلات سے ممبران لئے گئے حسب ذیل ہیں :۔

خواجہ ثناء اللہ شاہ ہندوارہ۔ خواجہ غلام حسن ملک کولگام۔ مرزا محمد افضل بیگ اسلام آباد۔ خواجہ محمد اکبر ڈار پلوامہ۔ خواجہ غلام محی الدین خان بڈگام۔ خواجہ محمد شفیع شاہ بارہمولہ۔ میاں احمد یار خان مظفر آباد۔ سردار فتح محمد خاں پونچھ۔ سردار خان محمد راجوری۔ چوہدری عبد الکریم میرپور۔ خواجہ مُراوت خان بھمبر۔ چوہدری عبد اللہ خان بھلی جموں۔ خواجہ عبد الرحمان خان ادھمپور۔ خواجہ میر عطا محمد ریاسی۔ میاں قربان احمد کٹھوعہ۔

سرکار کی طرف سے اس اسمبلی کے لئے جو غیر مسلم ممبران لئے گئے ان کے نام یہ ہیں :۔

پنڈت امرناتھ کاک سرینگر، پنڈت جیالال کلم سرینگر، لالہ امرناتھ کوہلی جموں۔ پنڈت دیونا تھ شاستری جموں۔ بخشی موتی رام جموں۔ چودھری چتر سنگھ جموں۔ پنڈت رام چند دوبے جموں۔ کوتوال لچھمن داس جموں۔ وزیر گنگا رام جموں۔ پنڈت گوبند رام بالا کشمیر، سردار بدھ سنگھ سکھ فورم میرپور، سردار کنہیا لال سنگھ سکھ فورم کشمیر۔

اسمبلی کے غیر سرکاری ممبران میں میجر جنرل ٹھاکر جنک سنگھ، خان بہادر سیّد حسین اور پنڈت رام چندر ازدان نامزد کئے گئے۔

میر واعظ مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس کو پچھاڑنے کے لئے شیخ عبد اللہ نے احمدی جماعت کے امام مرزا بشیر الدین محمود سے رجوع کیا اور انھیں ایک خط کے ذریعے حالات سے آگاہ کیا۔

بوچھوارہ سرینگر
سوموار مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء

مکرمی جناب میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اُمید ہے کہ میرے خطوط آپ کو مل گئے ہوں گے۔ مزید حالات یہ ہیں کہ حکومت نے مجھے آخر وقت تک دھوکہ میں رکھا اور میں نے جو جو باتیں پیش کر دی تھیں ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ بہرحال جو حالات میرے سامنے پیش آئے ان کا ذکر میں نے ایک درخواست میں کر دیا ہے جو کہ میں آپ کو لفافہ ہذا میں ارسال کرتا ہوں اور جو..... درخواست وزیراعظم کو میں نے بھیجدی ہے۔ دیکھئے نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے۔ ہم نے کوشش کی کہ اپنے آدمی ہر ایک علاقے سے اسمبلی کے لئے کھڑے ہوں لیکن وقت کی تنگی نے اور حکومت کی دھوکہ دہی کی وجہ سے شاید تمام علاقوں سے اپنے خاص آدمی کھڑے نہ ہوئے ہوں۔ ابھی پورا معلوم نہیں۔ سرینگر سے تو اپنے پانچ آدمی کھڑے کر دئے ہیں۔

بارہمولہ، اسلام آباد، کولگام، پلوامہ سے بالترتیب شیخ محمد اکبر، محمد افضل بیگ، عبدالرحمان ڈار، خواجہ اکبر ڈار ہمارے آدمی ہیں۔ سرینگر سے غلام محمد صادق، سیّد حسین جلالی، مولوی عبداللہ وکیل اور خواجہ احمداللہ شہداد کھڑے ہوئے ہیں۔ غلام نبی گلکار کو میں نے اس لئے روکا کہ مخالف جماعت کا تمام زور صرف مسئلہ احمدیت پر ہوگا۔ اس لئے اگر ہم نے مولوی عبداللہ وکیل کو کامیاب کر دیا تو یہ کافی شکست..... (مولوی یوسف شاہ) کو ہوگی، اگر غلام نبی گلکار دوسرے وارڈ سے کھڑا ہوتا تو ہماری طاقت تقسیم ہو جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مخالف پارٹی کا مدِ مقابل صرف مولوی عبداللہ صاحب ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غلام نبی گلکار کے مقابلے میں خواجہ احمداللہ شہداد اہلحدیث کے پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ بڑے پیسے والے ہیں اور کافی رسوخ رکھتے ہیں..... میں نے غلام نبی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کو آزاد رکھے..... حکومت کے اشارے پر ہمارے آدمی کے مقابل ممبری کے لئے کھڑے ہوئے مگر اُن کو کامیابی کی امید نہیں۔ الغرض اسمبلی کیا ہے۔ میرے لئے ایک اور مصیبت کا سامان ہے۔ آگے ہی مخالفت کیا کم تھی کہ اب اور اضافہ ہو رہا ہے۔ بہرحال خدا مددگار ہے اور دوستوں کا حوصلہ سب سے اہم، مشکل میرے سامنے جو ہے وہ مالی مشکلات ہیں۔ ایجی ٹیشن کیا رہی میرے لئے قرضہ کی مصیبت، ہر طرف سے بل پیش ہو رہے ہیں۔ پیٹرول کا بل، کرایہ کا بل، عملہ کی تنخواہ کا بل اور ہماری حالت

یہ ہے کہ کھانے کو کچھ میسر نہیں ہوتا، لوگ ایسے بے حس ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں کام کروں مگر کیسے کام کروں۔ اس کے متعلق خاموش شاید یہ ایجی ٹیشن اور تکالیف کا نتیجہ ہے شاید یہ آہستہ آہستہ دور ہو جائے گا۔ اس وقت ضرورت ہے کہ آپ کسی صاحب کو کشمیر روانہ کریں جو کہ مجھے مشورہ دے کہ ایسے حالات میں.... کام کس طرح چلایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ نے مہربانی نہ کی ہوتی اور تھوڑی بہت مالی امداد روانہ نہ کی ہوتی تو میں اب تک پریشانیوں کی وجہ سے میدان سے ہٹ گیا ہوتا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ کسی صاحب کو آپ کے پاس روانہ کر سکوں جو کہ تمام حالات آپ کو پہنچائے گا اور آپ سے مشورہ حاصل کرے گا۔ میں بھی حالات کو بہتر بنانے کی سعی میں لگا ہوں۔

حضرت صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری سے مبلغ دو سو روپے بذریعہ تار منی آڈر مل گئے ہیں۔ شکریہ!

اُمید ہے کہ بزرگوں کی دعا سے خُداوند کریم ہم لوگوں کو کامیاب کرے گا۔

فقط آپ کا خیر اندیش
شیخ محمد عبداللہ

(نقل مطابق اصل تحریک آزادی کشمیر)

اسمبلی الیکشن میں شیخ عبداللہ کی مسلم کانفرنس نے مولوی یوسف شاہ کی آزاد مسلم کانفرنس کو پچھاڑ کر رکھ دیا۔ مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی نے میاں احمد یار خاں کو لیڈر اور مرزا محمد افضل بیگ کو ڈپٹی لیڈر منتخب کیا۔

آزاد مسلم کانفرنس شکست سے دوچار ہو کر علیحدگی میں بیٹھ گئی۔ لیکن مسلم کانفرنس کو بھی یہ فتح راس نہ آئی۔ جبکہ پارٹی پھوٹ کا شکار ہو گئی۔

چوہدری غلام عباس خان جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جیل میں محبوس تھے، فرماتے ہیں:

"یہ تحریک کے ساتھ ایک قسم کی غداری تھی۔ مجھے شیخ عبداللہ پر سخت افسوس ہوا جو رجعت پسندوں کے عمیق گڈھے میں گر رہے تھے۔ مجھے اسمبلی انتخابات میں تعاون کے صلے میں جیل سے رہا کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی، اپنے دوست کی اس گفتگو سے مجھے ہنسی بھی آئی اور غصّہ بھی ہوا جیسا مجھے انھوں نے ہی گرفتار کروایا تھا۔ میری اسیری کے دوران

انھوں نے انتخابی مہم میں پوری دلچسپی لی، مجھے شیخ عبداللہ کے اس طرزِ عمل پر بہت افسوس ہوا، انتخابات کا عمل ختم ہوا۔ بے شمار قیدی رہا کئے گئے لیکن شیخ عبداللہ کو چند ماہ بعد اس غلطی کا احساس ہوا اور ان کو فکرِ فردا نے جماعتی تنظیم کے لئے مجبور کیا۔ ایوان اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے گروپ کو جگ ہنسائی سے واسطہ پڑا۔ اس گروپ پر اس لئے طنز کے تیر برسنے لگے کیونکہ مسلم کانفرنس نے جماعتی طور پر الیکشن لڑنے سے بائیکاٹ کیا تھا۔ مگر ایک لیڈر کی مداخلت نے پارٹی کا یہ فیصلہ مسترد کر دیا۔ یہ ایک ایسا تضاد تھا جس کی وجہ سے مسلم کانفرنس کے لیڈروں کو ہدف ملامت بننا پڑا، اس جماعتی کمزوری اس بے راہ روی نے مسلم کانفرنس کے، رہنماؤں کا وقار متاثر کیا۔

عوام کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے اور اچھے بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی لیڈری کم و بیش برقرار رہتی ہے۔ ورنہ عوام کی یادداشت اگر قوی ہو تو پھر جماعتوں کی ترتیب اور قوم کی تنظیم مشکل ہو جائے۔"

انتخابات کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ سیاسی قیدی رہا کئے جانے لگے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ریاستی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس دربار گڈھ جموں میں منعقد ہوا۔ جس میں مہاراجہ ہری سنگھ نے بھی شمولیت کی۔

وزیر اعظم نے ریگولیشن ۱ آف ۱۹۹۱ء جو کہ اپریل ۱۹۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں شائع ہوا تھا۔ پڑھ کر سُنایا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات درج تھے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف سے اسمبلی کے وجود میں آنے پر پیغامِ تہنیت بھی شامل تھا۔

اسمبلی کا اجلاس ۲ نومبر تک جاری رہا۔ اسمبلی کے اس سیشن میں مسلم کانفرنس کے پارٹی لیڈر میاں احمد یار خاں نے اپنی تنظیم کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس وقت جو ڈھانچہ پیش کیا گیا اور جو آئین ہمارے سامنے رکھا گیا۔ اس سے بہتر آئین کے ریاستی عوام مستحق ہیں۔"

وزیر اعظم نے فرمایا "اگر آپ کا تعاون قائم رہا تو ہم عوام کے لئے بہتر سے بہتر آئین فراہم کرنے میں پیش پیش رہیں گے۔"

اسمبلی کا یہ اجلاس خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوا۔

آج میرے قتل کا بیڑا اُٹھا لایا ہے وہ۔
کل جو میرے حامیوں میرے طرفداروں میں تھا

مُسلم کانفرنس کی عمارت گرانے کی شروعات

کشمیری پنڈت رہنماؤں کو دہلی کانگریس کمیٹی سے برابر اس بات کی ہدایات مل رہی تھیں کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے نزدیک آنے اور انھیں اپنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اُن کی یہ ہٹ برابر جاری تھی کہ جب تک تنظیم کا نام اور اس کا پرچم بدل نہیں جاتا تب تک اس تنظیم میں نہ شمولیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی شیخ عبداللہ کو کوئی تعاون دے سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کشمیری پنڈتوں کو اپنی صفوں میں شامل کرنے سے قبل پنڈت نہرو سے ملنا چاہتے تھے اور اس کے لئے انھوں نے کتنی بار دہلی جانے کا پروگرام بنایا۔ آخر کار الیکشن اور نومبر کے مسلم کانفرنس کے اجلاس سے فارغ ہو کر وہ دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ دہلی میں پنڈت نہرو نے انھیں اپنا ذاتی مہمان بنایا اور کئی بڑے لیڈروں سے اُنھیں متعارف بھی کرایا۔ دہلی میں قیام کے دوران شیخ عبداللہ کا برین واش کر کے "مسلم" نکال کر "نیشنل" بھر دیا گیا۔

دہلی سے جب واپس آئے تو شیخ صاحب بالکل بدلے ہوئے تھے۔

محمد یوسف صراف سابقہ ہائی کورٹ جج لاہور اپنی کتاب "فریڈم موومنٹ ان کشمیر" میں لکھتے ہیں:۔

"شیخ محمد عبداللہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں اور مفکروں سے ملنے کے لئے دہلی گئے جہاں ان کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو سے ہوئی اور دونوں ایک دوسرے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کشمیر کی سیاسی تحریک میں ایک بڑی تبدیلی پیش آئی چونکہ نہرو کے اجداد کشمیری تھے۔ نہرو نے ہرگز یہ نہ چاہا کہ کشمیر میں مسلمان منظم رہیں جس سے ہندو دب جائیں اس نے شیخ عبداللہ کے سینے میں قومیت اور حب الوطنی کا جذبہ

اس قدر پیدا کر دیا کہ شیخ عبداللہ کے ذہن پر نیشنلزم کا بھوت سوار ہو گیا اور اس نے مسلم کانفرنس میں ہندوؤں اور سکھوں کو شامل کرنے کے لئے اس کا نام نیشنل کانفرنس رکھنے کا ارادہ کیا جس کی کشمیر کے تمام سیاسی رہنماؤں نے پُرزور مخالفت کی، اس نے عوام کو یہ سمجھانا چاہا کہ جنگ ہندو اور مسلمان کے درمیان نہیں بلکہ امیروں اور غریبوں کے درمیان ہے۔ اس کے بدلتے ارادے کی حمایت کرنے والوں میں مولانا محمد سعید مسعودی اور بخشی غلام محمد کا نام قابلِ ذکر ہے۔ نام بدلنے کی اس سازش میں شیخ عبداللہ نے پریم ناتھ بزاز سے مشورہ کیا۔

پہلی اگست ۱۹۳۵ء کو انھوں نے مل کر ایک اخبار "ہمدرد" شائع کیا۔ جس کے پسِ پردہ نیشنلزم کی تحریک کا پرچار تھا اور کئی کوششوں اور مخالفوں کے بعد ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں بدل گئی۔ جس کے لئے پنڈت نہرو کئی بار کشمیر آکر یہاں کے ہندوؤں کو کانفرنس میں شامل کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ مگر یہ شیخ عبداللہ کی سب سے بڑی بھول تھی کیونکہ کانفرنس جیسی تنظیم کو نیشنل کانفرنس میں بدل کر مسلمانوں کو بکھیرنے کے باوجود بھی وہ ہندوؤں کا اعتماد حاصل نہ کر سکا اور ہندو خلوص کے ساتھ اس تنظیم میں شامل ہونے سے ہمیشہ ہچکچاتے رہے۔

دراصل کشمیر کی سیاسی تحریک کا یہی زوال تھا کیونکہ اس اہم تبدیلی کے فوراً بعد کشمیر میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے جس نے تحریک کو بے حد کمزور کر دیا۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کی ہدایت پر ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء کو "یوم شہدا" کے موقعہ پر کشمیری پنڈتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کے بعد ماہ اگست میں حضوری باغ میں مسلم کانفرنس کا جو سالانہ جلسہ ہوا۔ اس میں بھی انھوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

۱۳ اگست ۱۹۳۵ء کے مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت، کانگریس کے ایک لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے کی اور اپنی صدارتی تقریر میں انھوں نے شیخ عبداللہ کی بے حد تعریف کرنے کے بعد فرمایا:

"..... اکثریت اور اقلیت کے درمیان اتحاد ضروری ہے اور یہ اتحاد تب ہی ہو سکتا ہے جب اقلیتوں کو تسکین ہو جائے، اکثریت کو اقلیت کا دل جیت لینا چاہیئے ——؟ لوگو! ہندوستان کو مت بھولو، کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے۔"

ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی زبانی "کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے" نکلنا ہی تھا کہ شیخ عبداللہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر خود تالیاں بجائیں اور حاضرین کو بھی تالیاں بجانے کی دعوت دی۔

تالیوں کی گونج میں ڈاکٹر کچلو نے مکرر دہرایا:

"کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے اور آئندہ فیڈریشن میں ریاستیں بھی ہندوستان سے مل کر کام کریں گی۔ آپ کو شیخ عبداللہ کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں۔ ایسا لیڈر ملنا مشکل ہے۔"

اس طرح ۳ اگست ۱۹۳۵ء کو بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی بنیاد ڈالی گئی۔

جلسہ کے اختتام پر ویکلی اخبار "ہمدرد" جو دو دن قبل جاری ہوا تھا۔ اس کا باضابطہ افتتاح کیا گیا۔ "ہمدرد کا یہ شمارہ جس میں مہاتما گاندھی، سر ظفر اللہ خاں، ڈاکٹر گوکل چند نارنگ پنڈت نہال سنگھ، سر بی۔ جے۔ گلینسی، کرنل کالون، ڈاکٹر ضیاء الدین، سر برجور دلال، مسٹر وی۔ پی۔ مہتہ، ٹھاکر کرتار سنگھ، راجہ ہری کرشن کول، علامہ خالد لطیف، سردار بدھ سنگھ، ڈاکٹر محمد عالم اور مفتی ضیاء الدین کے پیغامات درج ہیں۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی سازش میں گواہ بن گئے ہیں۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۲۲ جولائی کو سرینگر آ گئے تھے اور وہ احمد اللہ شہداد کے گھر واقع بلبل لنکر میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے بارے میں شیخ عبداللہ نے اجلاس میں فرمایا:

"ڈاکٹر کچلو کشمیر الاصل ہیں۔ انھوں نے اقبالؒ اور نہرو کی طرح اہلِ وطن کا نام روشن کیا۔ آزادیٔ وطن کی خاطر جیلوں میں رہے۔ اعلیٰ پایہ کے بیرسٹر ہیں۔ یہ خوشی کا مقام ہے کہ یہ آج یہاں تشریف لائے ہیں۔"

اس موقع پر مہاتما گاندھی زندہ باد، پنڈت نہرو زندہ باد، شیر کشمیر زندہ باد اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ بالکل نیا نعرہ تھا اور یہ پہلی بار کشمیر کے اسٹیج سے بلند ہوا۔

اس جلسہ کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ وزیر اعظم وجاہت حسین گرکرنل کالون کی جگہ تعینات ہوئے تھے۔ انھیں للکار کر کہا کہ "وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی سے وہ اصحاب ضرور حیران ہوئے جن کے ہاتھ میں "ہمدرد" کا

یہ پرچہ تھا اور اس پرچے میں پریم ناتھ بزاز اور شیخ محمد عبداللہ کے دستخط سے پالیسی بیان شایع ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

"'ہمدرد' کا سب سے پہلا کام آج تک رہنے والی مختلف جماعتوں اور فرقوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت و یگانگت کے جذبات کو مستقل بنانا ہوگا اور اہلیانِ ملک پر اس حقیقت کو واضح کر دینا ہوگا کہ مادرِ وطن کی یکساں اولاد کی حیثیت سے ان پر ہم دونوں کا جُدا جُدا رہنا انتہائی بیوقوفی اور غیر دانشمندانہ فعل ہے، جس کی بدولت ایک غلام قوم کو غیر ہمیشہ مظلوم و محکوم بنا کر رکھ سکتے ہیں، سیاسیات میں ہم جمہوری طرزِ حکومت کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ یقین کرتے ہیں کہ کوئی قوم تب تک ایک قدم بھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک عنانِ حکومت اہلیانِ ملک کے ہاتھ میں نہ ہو لیکن مشرقی ممالک میں رہنے والوں کی تہذیب اور باہم روایات کو مدِ نظر رکھ کر ہم مغربی قسم کی جمہوریت کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کی ذات سیاسیات سے بالاتر ہے اور ان کے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ قسم کے ہیں۔

غیر ذمہ دارانہ حکومت جس کی بدترین مثال موجودہ مجلسِ آئین ساز ہے اور جس کے آج کل روح رواں تقریباً تمام مشیرانِ حکومت غیر ریاستی باشندگانِ ریاست ہیں۔ رعایا ریاست کے لیے وبالِ جان ہے۔

'ہمدرد' تمام آئینی تدابیر کو استعمال میں لا کر اس غیر ذمہ داری کے عنصر کا قلع قمع کرے گا۔"

اپنے پالیسی بیان میں شیخ صاحب صاف طور پر مہاراجہ ہری سنگھ کی تعریفیں کرتے ہیں اور بلا جھجک اس بات کو دُہراتے ہیں کہ اپنی رعایا کے ساتھ مہاراجہ کے تعلقات پدرانہ قسم کے ہیں۔ اس ساری سیاسی تحریک میں شیخ صاحب اگر کسی کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو ان غیر ریاستی پشتنی باشندگان کو جنہوں نے مجلسِ آئین ساز پر قبضہ جما رکھا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ ریاستی عوام کو تختۂ مشق بنا رہے ہیں اور ان پر الزام لگا رہے ہیں کہ رعایا ریاست کے لیے وبالِ جان بن رہی ہے۔

جلسہ کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام خط لکھ کر

اس میں انھوں نے مہاراجہ سے اپنی تیز کلامی کی معافی مانگی۔

چوہدری غلام عباس خان نے مسلم کانفرنس کے اس اجلاس کو ایک سازشی ڈرامہ سے تعبیر کیا اس سازش میں مہاراجہ کو ملوث کرنے کی کوشش کی، اس پر چوہدری صاحب سے جواب طلبی کے وجاہت حسین کے دفتر بُلایا گیا۔ اپنے جواب میں عباس خان نے پریس پر بیان کو توڑ مروڑ کر، شائع کرنے کا الزام لگایا۔

وجاہت حسین وزیر اعظم نے ان سے کہا:

"اگر یہ بات ہے اور پریس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو آپ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام خط کے ذریعے اس کی صفائی کیجئے، میں آپ کے خط کی روشنی میں مہاراجہ بہادر کے سامنے آپ کی پوزیشن صاف کروں گا۔"

چوہدری صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وجاہت حسین نے فرمایا:

"اس میں قباحت کیا ہے؟ شیخ صاحب ایسے موقعوں پر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے بہت سے معذرت نامے اور معافی نامے ہیں۔ ۳ اگست کی تقریر کا معافی نامہ بھی ہمیں موصول ہوا ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم دکھا سکتے ہیں۔"

چوہدری صاحب نے جواب دیا:

"شیخ صاحب ایسا کرتے ہوں۔ لیکن میں نہیں کروں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو جب اپنے مشن میں کسی قدر کامیاب ہو کر دہلی گئے تو انھوں نے پنڈت نہرو کو مسلم کانفرنس کا نام اور پرچم بدلنے کی تفصیلات بتائیں۔ پنڈت نہرو نے مزید بات چیت کے لیے پنجاب پردیش کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین کو سرینگر روانہ کیا۔

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا، ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو دسہرہ کی تقریب کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے میر واعظ مولوی یوسف شاہ کے لیے وظیفہ اور جاگیر کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان سے جہاں وہ حکومت کے نزدیک آ گئے وہاں عوام سے دُور ہو گئے۔ اسی طرح جب ان کی کھلم کھلا مخالفت ہونے لگی تو وہ وظیفہ اور جاگیر واپس کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ چنانچہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء کو جب سہ یارِ مسجد کے تنازعہ پر حکومت نے غیر مسلموں کا ساتھ دیا تو مولوی یوسف شاہ نے اسی مسجد کے صحن میں وظیفہ اور جاگیر واپس

کرنے کی دھمکی دے کر فرمایا:

"اگر مہاراجہ سمجھتا ہے میں نے مولوی یوسف شاہ کو وظیفہ اور جاگیر دے کر خرید لیا ہے تو یہ ان کی بھول ہے میں اسے واپس کر سکتا ہوں۔"

پنجاب پردیش کانگریس کے صدر میاں افتخار الدین سرینگر آئے تو انھوں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ہوٹل کارونیشن میں ملاقات کی، اس ملاقات کے دوران ان کے ساتھ بخشی غلام محمد تھے۔ ان کے درمیان گفتگو مسلسل تین دنوں تک جاری رہی۔

اگلے مہینے پنڈت نہرو جب صوبہ سرحد کے دورے کے دوران میاں افتخار الدین کے ہاں لاہور میں مقیم تھے تو بخشی غلام محمد کے ذریعے شیخ عبداللہ کو لاہور بلایا گیا۔ ان دنوں بخشی غلام محمد لاہور میں ہی مقیم تھے۔ چنانچہ میاں افتخار الدین کی دعوت پر جب شیخ عبداللہ لاہور پہنچے تو ان کو بتایا گیا کہ پنڈت نہرو اب تک آپ کا انتظار کر رہے تھے وہ ابھی ابھی صوبہ سرحد کے دورے پر چلے گئے۔ شیخ صاحب بخشی صاحب کے ہمراہ اسی وقت ریلوے اسٹیشن روانہ ہو گئے تو ان کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ہوئی۔ اگرچہ اس ملاقات کو دونوں طرف سے اتفاقیہ کہا گیا لیکن یہ ایک پہری پلان تھا اور یہ بخشی غلام محمد اور میاں افتخار الدین نے بنایا تھا۔ جس وقت شیخ صاحب لاہور اسٹیشن پر پنڈت نہرو سے ملے تو انھوں نے خیر و عافیت کے بعد بخشی غلام محمد کو کمال ہوشیاری سے علیحدہ کر کے انھیں میاں افتخار الدین کی کوٹھی پر اس خبر کے ساتھ بھیجا کہ شیخ صاحب پنڈت جی سے مل گئے ہیں۔

بخشی صاحب کے جاتے ہی یہ دونوں ایک کھڑی ہوئی ریل کے ڈبے میں گھس گئے۔ جہاں پر انھوں نے کوئی ۳۵ منٹ تک بات چیت کی۔ اس کے بعد دونوں صوبہ سرحد کے دورے پر نکلے۔ انھوں نے اپنے ساتھ خان عبدالغفار خان کو ملایا۔

خان عبدالغفار خان نے شیخ عبداللہ سے کانگریس کا وفادار رہنے کا وعدہ لیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو، خان عبدالغفار خان اور شیخ محمد عبداللہ کی اس ملاقات نے تاریخ کی دھارا بدل دی، اس ملاقات میں نہ صرف مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کا فیصلہ کیا گیا بلکہ یہیں پر برصغیر کو آزادی ملنے پر کشمیر اور صوبہ سرحد کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا عہد و پیمان بھی کیا گیا۔ اس کی تصدیق ہمیں اس خط سے ملتی ہے جو راولپنڈی میں مہاتما گاندھی نے نہرو کے لئے بخشی غلام محمد کے حوالہ کیا تھا۔ اس کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔

چوہدری عباس خاں اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھتے ہیں:۔

"شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو اور خاں عبدالغفار خان سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد جب وہ جموں پہنچے تو اس کے تیور بدلے ہوئے تھے اور سرحد سے نیشنلزم کا اتنا تند و تیز جام چڑھا کر آئے تھے کہ اس کا نشہ کبھی اُتر ہی نہ سکا آتے ہی انھوں نے میرے ساتھ بند کمرے میں نیشنلزم کے بارے میں گفتگو شروع کی۔

شیخ عبداللہ کا اصرار تھا کہ تین دنوں کے اگلے اجلاس میں نیشنلزم کے بارے میں فیصلہ ضروری ہے ..... شیخ صاحب کی طبیعت کا یہ پہلو واضح رہے کہ جب تک وہ دوست ہیں تو پکّے دوست ہیں اور جب وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ تو بڑے سے بڑا دشمن بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُن کی طبیعت اور سیاسی زندگی کا سب سے بڑا سقم آزادیٔ رائے کا فقدان رہا ہے....

اس بار وہ پنڈت نہرو اور خان غفار خان سے ملاقات کر کے سرحد سے نیشنلزم کی شراب پی کر آئے تھے۔ اس صحبت میں بدقسمتی سے ہمارے نصب العین اور طریقہ کار کے درمیان ایک نمایاں دیوار حائل ہونے کا شدید احتمال پیدا ہو گیا۔ سالانہ اجلاس سر پر نہ ہوتا تو صورت مختلف ہوتی جوں توں کر کے میں نے شیخ عبداللہ کو اس موقعے کے لئے ہموار کر ہی لیا اور اس طرح باہمی خانہ جنگی کی جو آندھی آگئی تھی وہ بغیر نقصان کے گزر گئی ..... شیخ صاحب نے اجلاس کے دوران اپنی نئی پوزیشن کا جائزہ لینے اور مندوبین کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے کافی ہاتھ پاؤں مارے لیکن ہوا کا مخالفانہ رُخ دیکھ کر اس وقت اپنا دامن چھڑا لیا۔

سالانہ اجلاس کے بعد جو انتخابات ہوئے اس میں مسلم کانفرنس نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی تو شیخ صاحب نے نیشنلزم کو کسی اور موزوں وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔

بھارت کے لیڈروں نے شیخ عبداللہ کے جسم میں جو نیشنلزم کے جراثیم ڈالے تھے شیخ صاحب کو کچھ عرصے کے لئے ان جراثیم کو پالنے کا خوب موقع مل گیا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ارادی یا غیر ارادی طور پر میرا بھی اس میں ہاتھ تھا اور یہ.... حقیقت ہے کہ اُن کشمیری مسلمانوں کو بھی نیشنلزم کے جھانسے میں لایا گیا جن کو مجھ سے گہری وابستگی رہی ہے۔